بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۱ ماہ جون ۲۰۱۳ء مطابق رجب المرجب ۱۴۳۴ھ شمارہ نمبر ۶

مدیر

خلیل الرحمان سجاد نعمانی

E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	مدیر	۳
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمن سنبھلی	۷
۳	ہمارے مسائل کا اصل حل کیا ہے؟	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی	۱۴
۴	گھریلو زندگی کو خوش گوار بنانے کے لئے.....	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی	۱۷
۵	عورتوں کی اخلاقی برائیاں	سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ	۳۷
۶	انسانی سیرت وکردار کی خوبیاں (سورۂ یوسف کی روشنی میں)	خلیل الرحمن سجاد نعمانی	۴۱

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ V.P. ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے ذمہ دار حضرات کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جارہے ہیں ان مقامات نیز قرب وجوار کے حضرات ان سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱۔ بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	+91-9898610513
۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)	مفتی حسنین محفوظ صاحب	+91-9226876589
۳۔ بیلگام (کرناٹک)	مولانا تنویر صاحب	+91-9880482120
۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)	قاسمی بکڈپو طٰہٰ بکڈپو الطاف بکڈپو	+91-9960070028 +91-9326401086 +91-9325052414-9764441005
۵۔ گورکھپور (اترپردیش)	مکتبہ ناصر	+91-9451846364
۶۔ جالنا (مہاراشٹرا)	محمد اظہر	+91-9225715159

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زرتعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی-/Rs.200

☆ سالانہ زرتعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی [1]) عمومی-/Rs.230

[1] اس صورت میں پہلے سے زرتعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے،
مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہوئی تو ادارہ کو -/Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) -/20 پاؤنڈ۔ -/40 ڈالر

لائف ممبر شپ: ہندوستان: سادہ ڈاک -/Rs.8000۔

بیرونی ممالک: -/600 پاؤنڈ۔ -/1200 ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ :
Mr. RAZIUR RAHMAN
90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K
Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ۔
پن-۲۲۶۰۱۸-یوپی، انڈیا- فون نمبر: Ph:0522-4079758

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات　صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ　بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک
اتوار کو آفس بند رہتا ہے-----

خلیل الرحمن سجاد کے لئے پرنٹر پبلیشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اولیں

مدیر

اللہ اللہ کر کے پاکستان میں انتخابی عمل مکمل ہوا، اور ایک نئی حکومت تشکیل پا گئی، ہم اس موقع پر پاکستان کے عوام وخواص کو اور بالخصوص اسلامی جماعتوں، تنظیموں کی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

آپ بخوبی جانتے ہیں کہ چہروں اور پارٹیوں کی تبدیلی سے کوئی بڑا فرق نہیں پیدا ہوسکتا، ضرورت دراصل یہ ہے کہ ہم سب کی فکر کا رخ بدلے،، ذاتی مفاد کو پیچھے ڈال کر معاشرہ کی فلاح وبہبود کو ترجیح دینے کا مزاج عام ہو، اس کے لئے طویل جدوجہد درکار ہوتی ہے، اور بہت صبر، بہت استغناء اور مکمل اخلاص جیسے اوصاف کے ساتھ ایک طویل اور ہمہ گیر محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک معتد بہ تعداد میں ایسے افراد تیار نہیں ہوں گے جو ایک طرف ملک کے نظم ونسق کو چلانے اور مختلف شعبہائے زندگی کو سنبھالنے کی بھرپور صلاحیت بھی رکھتے ہوں اور دوسری طرف خلوص ودیانت داری، معاشرہ کے تئیں کامل وفاداری اور ذاتی مفادات سے استغناء جیسے اوصاف سے آراستہ بھی ہوں، تب تک وہ امیدیں پوری نہیں ہوسکتیں جن کو اپنے دل میں سجا کر عوام بڑے جوش وخروش کے ساتھ اپنے ووٹ کی طاقت استعمال کر کے ایک پارٹی کو ہٹا کر دوسری پارٹی کو اقتدار کی کرسی پر بٹھا دیتے ہیں۔

پس ضرورت ہے کہ تبدیلی کی امیدیں دلا کر اقتدار کی مسند پر جلوہ افروز ہونے والے لوگ اور تبدیلی کی امیدیں دل میں بسا کر تبدیلی لانے والے عوام وخواص سب مل کر سب سے زیادہ توجہ معاشرہ کی ہمہ گیر اصلاح، اور خصوصاً اس طرح کے افراد کی تیاری کے کام کی طرف کریں، جس طرح کے افراد کے بغیر کوئی ٹھوس تبدیلی ہرگز ممکن نہیں ہے۔

جو کچھ بھی دینی، تبلیغی، اصلاحی جدوجہد، علماء ومشائخ، دینی مدارس، اور اسلامی واصلاحی تنظیموں اور جماعتوں کے ذریعہ جہاں کہیں بھی ہمارے موضوع سخن کے لحاظ سے خصوصاً پاکستان میں انجام پارہی ہے بلاشبہ وہ یقیناً نہایت قابل قدر ہے، اوران کوششوں سے وابستہ ہر ہر فرد اور ہر ہر بڑا چھوٹا کارکن شکر وتحسین کا مستحق ہے، اوراس میں بھی کوئی شک نہیں کہ کفر والحاد، اور مغربیت والحاد کی تیز وتند آندھیوں میں آج بھی جو اسلامیت کا چراغ روشن ہے وہ سب اِنہی کوششوں کا ثمرہ ہے ۔۔۔۔۔تاہم یہ بھی ایک بہت توجہ طلب حقیقت ہے کہ ابھی اِن کوششوں سے اس طرح کے افراد تیار نہیں ہو پارہے ہیں جس کے طرح کے افراد ملک کے نظم ونسق کو چلانے اور بنیادی تبدیلی لانے کے لئے درکار ہیں۔اور یہ ایک تلخ اور ناخوشگوار حقیقت ہے کہ ایسے افراد نہ ہمارے دینی مدارس سے تیار ہو پارہے ہیں اور نہ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے، لہٰذا یہ سوال سب سے زیادہ اہمیت اختیار کرجاتا ہے کہ آخر ہمیں ایسے افرد کی تیاری کے لئے کیا کرنا ہوگا؟

اس سوال کا سیدھا اور مختصر سا جواب یہ ہے کہ سب سے زیادہ ہمیں نظام تعلیم کی طرف توجہ کرنی ہوگی، تعلیمی میدان میں کام کرنے والے باشعور افراد کو کسی مدرسہ یا اسکول کو کھولنے سے پہلے ضرور یہ سوچنا چاہئے کہ ہمیں کیسے افراد کی ضرورت ہے؟ بالغ نظری اور بلند ہمتی کے ساتھ اس مسئلہ پر غور کرنے والے حضرات ضرور اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہمیں ملک کے نظم ونسق کو چلانے والے اور معاشرہ کی قیادت کرنے والے افراد کی تیاری کے لئے اپنے کاموں کو آنکھ بند کرکے صرف روایتی انداز سے چلا رہنے کے بجائے وقت کے تقاضوں کے بارے میں اوران کی رعایت سے اپنے کاموں میں اصلاح وتجدید پر گہرائی سے غور کرنا ہوگا۔—— سب نہیں تو کچھ لوگوں کو تو ضرور اس اہم ترین کام کی انجام دہی کے لئے کھڑا ہونا چاہئے۔

میری دانست میں برصغیر کے اہل علم وفکر میں دور حاضر میں درکار رجال کار کی تیاری کے مقصد کو سامنے رکھ کر نظام تعلیم پر ازسرنو غور کرنے اور عملی قدم اٹھانے کی ضرورت کا احساس جن حضرات کو زیادہ تھا ان میں ایک نمایاں اور بلند پایہ نام سب سے زیادہ اس ضرورت کا احساس حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا ہے، اگرچہ افسوس ہے کہ وہ علمی طور پر اس کام کو خود انجام نہ دے سکے، مگر فکری ونظری طور پر وہ اس ضرورت کے احساس اور اظہار میں شاید سابقین اولین میں تھے کہ ہمیں ایک نئے اور جامع نظام تعلیم کی ضرورت ہے، ان کی دعوت تھی کہ خاص کر مسلم ممالک میں

''نظام تعلیم کو نئے سرے سے اس طرح ڈھالا جائے کہ وہ اسلام کے عقائد واصول اور عصر

جدید کے تغیرات اور علوم ووسائل دونوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو، اور دونوں کے تقاضے پورے کرتا ہو، اور نئی نسل میں ایک طرف ایمان ویقین، اخلاقی قوت، استقامت، خوداعتمادی وخودداری، اپنے دین پر غیر متزلزل یقین اور اس کے لئے قربانی کا جذبہ، دوسری طرف قوتِ ایجاد، فکری استقلال، بلند ہمتی اور اولوالعزمی پیدا کرے، اور جرأت وذہانت کے ساتھ مغرب کا مقابلہ کرنے کا جوہر اور اوصاف پیدا کر سکے۔''

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اس بات پر اپنے گہرے دکھ کا بار بار اظہار کرتے تھے کہ پاکستان میں بھی جہاں اس تعلیم وتربیت کے اُس جامع نظام کی تشکیل کی شدید ترین ضرورت بھی تھی اور امکانات بھی تھے جس سے وہ افراد تیار ہوتے جو اس ملک کو واقعۃً اسلامی عدل اجتماعی کا ایک عالمی نمونہ بنا دینے کے لئے درکار تھے، وہاں بھی اس نظام تعلیم کے قیام کی کوششوں کو اپنی توجہ اور جدوجہد کا مرکز نہیں بنایا گیا، انھوں نے اِن الفاظ میں اپنے رنج کا اظہار کیا تھا:

''افسوس ہے کہ ایجابی اور مثبت طور پر قیام پاکستان کی معتدبہ مدت میں بھی نظام تعلیم کو (جو کسی ملک کے کسی خاص رخ پر لے چلنے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے) اسلامی روح اور اسلامی مقاصد کے لئے ازسرِنو ترتیب دینے، پاکستانی معاشرہ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے، آئین کو اسلامی بنانے، ذہنی انتشار اور اخلاقی فساد کے معلوم ومعروف ناکوں اور سرچشموں کو بند کرنے کے لئے کوئی جرأت مندانہ قدم نہیں اٹھایا گیا، اور کسی طرح اس کا ثبوت دینے کی مخلصانہ وسنجیدہ کوشش نہیں کی گئی کہ پاکستان ایک نیا اسلامی معمل اور تجربہ گاہ ہے، جہاں اسلامی طریق زندگی کی افادیت، اسلامی اصول وقوانین کی صلاحیت، اور اسلامی تہذیب کی فوقیت کا عملی ثبوت فراہم کیا جائے گا، اور دوسرے ابھرتے ہوئے ممالک کے لئے عملی مثال پیش کی جائے گی.....''۔

اسی سلسلۂ کلام میں آگے چل کر انھوں نے لکھا تھا:

''اس افسوس ناک صورت حال پر جو اِس وقت پاکستان میں درپیش ہے، بہت کچھ قابو پایا جا سکتا تھا، یا کم سے کم اس کے اثر کو ہلکا کیا جا سکتا تھا اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور حکومتی حلقہ میں اسلامی فکر اور دعوت اسلامی کو زیادہ بڑی تعداد میں مؤید وحامی مل سکتے تھے، نیز قدیم وجدید طبقے کے درمیان جو وسیع خلیج پڑ گئی ہے اس کو بہت مختصر کیا جا سکتا تھا اور دونوں طبقے مل کر اس عظیم تجربہ کو کامیاب بنا سکتے تھے، جس کے لئے پاکستان وجود میں آیا تھا، اگر فکر اسلامی کے علم بردار اپنی زیادہ صلاحیت

اور ہوش مندی کا ثبوت دیتے اور ملک کے مختلف طبقوں کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کرنے اور اس ذہنی اور روحانی خلا کو پر کرنے میں کامیاب ہوجاتے جس کو جدید طبقہ عرصہ سے شدت کے ساتھ محسوس کررہا ہے، یہ اسی وقت ہوسکتا تھا جب فکر اسلامی کے علم بردار کچھ عرصہ پورے صبر واستقلال کے ساتھ اپنی تمام صلاحیتیں اور قوتیں اسلامی طریقۂ زندگی کو قبول کرنے کے لئے دماغوں اور دلوں کو تیار کرنے اور نوجوانوں کی ذہنی وروحانی تسکین کے کام پر مرکوز کرتے اور تمام میدانوں سے یکسو ہوکر اسی کو اپنی جدوجہد کا میدان بنالیتے.....''

اِس تحریر کو سپرد قرطاس ہوئے ۵۰ سال گذر چکے ہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ آج بھی یہ پاکستان میں نفاذ اسلام کا جذبہ رکھنے والوں اور اس کے لئے جدوجہد کرنے والوں کی سنجیدہ توجہ کی منتظر ہے۔

ہم پاکستان کے تمام ارباب حل وعقد، علماء، دانشوروں اور دینی جماعتوں اور اداروں کے ذمہ داروں اور سیاسی پارٹیوں کے رہنماؤں خصوصاً اسلام پسند قائدین کی توجہ ترکی کے تجربے کی طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری معلومات کے مطابق پہلے شیخ بدیع الزماں سعید نورسی نے، اور پھر شیخ فتح اللہ گولان نے تمام میدانوں سے یکسو ہوکر اپنی تمام صلاحیتیں اور قوتیں ایک ایسی نسل کے تیار کرنے میں لگادیں جس کے افراد روحانی واخلاقی قدروں سے آراستہ ہونے کے ساتھ ملک کے نظم ونسق چلانے کی مہارت سے بھی بہرہ ور ہوں۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب آپ کو اس ملک میں ایسے ہزاروں اساتذہ، صحافی، تاجر، ڈاکٹر، انجینئر اور بشمول سیاست وحکومت تمام شعبوں میں خاصی تعداد میں ایسے کارکن اور قائدین مل جائیں گے جو اپنی فنی مہارت اور اخلاقی بلندی دونوں کی وجہ سے معاشرہ میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں —— بہتر ہوگا کہ آپ حضرات ترکی کے ماضی اور حال کا تفصیلی مطالعہ کریں، اور اگر آپ کو نظر آئے کہ آپ پاکستان کے بہتر مستقبل کی تعمیر کے کام میں وہاں کے تجربے سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں تو ضرور فائدہ اٹھائیں —— ظاہر ہے کہ علم ودانش کی بات ہر مومن کی متاع گم شدہ ہوتی ہے جہاں سے بھی ملے اسے ضرور حاصل کرلینا چاہئے —— اسلامیت اور مغربیت کی کشمش میں سب سے پہلے مغربیت کا شکار ہونے والا ملک ترکی ہی تھا، اور اب اس کی گرفت سے نکلنے کی بظاہر کامیاب کوشش کرنے والا ملک بھی ترکی ہی نظر آرہا ہے۔ للہ الامر من قبل ومن بعد۔

☆☆☆

محفل (۱۲۷) سورۃ المائدۃ (۵)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہٗ

یہود اور نصاریٰ سے لئے گئے عہد و میثاق
وہ اِن سے روگرداں ہوئے تو زندگی ان کے لئے عذاب بن گئی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَىْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِىْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ

اور اللہ نے عہد لیا تھا بنی اسرائیل سے اور بارہ سرداران میں سے ہم نے (اس عہد کی ذمہ داری کے لئے) مقرر کئے تھے اور کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے اور ایمان میرے رسولوں پر لائے اور مدد اُن کی کی اور قرضِ حسنہ اللہ کو تم دیتے رہے۔ میں ضرور تمہاری خطائیں محو تم پر سے کردوں گا اور ایسے باغوں میں تمھیں داخل کروں گا کہ نہریں ان کے تلے بہہ رہی ہوں گی۔ اور (جان لو کہ) جس کسی نے کفر اس کے بعد اختیار کیا اس نے بیشک راہِ راست گم کردی (۱۲) پھر جو عہد شکنی انھوں نے کی، تو ہم نے لعنت ان پر ڈالی اور دل ان کے سخت کردئے، وہ اُلٹ پھیر کر کے بدل ڈالتے ہیں (کتابُ اللہ کی) باتیں میں۔ اور بھُلا ہی دیا انھوں نے بڑا حصہ اس تعلیمِ ہدایت کا جو انھیں دی گئی تھی۔ اور تم پر آشکارا برابر ہوتی رہیں گی ان کی خیانت کاریاں، سوائے ان میں کے تھوڑے سوں کے۔ سو تم درگزر ان سے کرو اور جانے دو۔ اللہ بے شک محبوب رکھتا ہے نیکو کاروں کو (۱۳) اور وہ کہ جنھوں نے اپنے لئے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے بھی ہم نے ان کا عہد لیا۔ وہ بھی بھلا بیٹھے وہ ہدایت جس کی نصیحت انھیں کی گئی تھی۔ پس ان میں ہم نے ڈالدی عداوت وبغضِ باہم کی (لعنت) قیامت تک کے لئے۔ اور عن قریب اللہ انھیں وہ سب کچھ جتلائے گا جو وہ کرتے رہے ہیں (۱۴)

ربطِ کلام

گذشتہ محفل کی آخری آیت (۱۱) کے بارے میں غور وفکر نے اس نتیجہ پر پہنچایا تھا کہ وہ قوم جس نے مسلمانوں پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی تھی اور اللہ نے اسے ناکام کیا وہ مدینہ کے یہود ہونے چاہئیں۔ اس کی تائید میں ہمیں امام ابنِ عطیہ کا قول بھی ملا کہ آگے کی آیت (۱۲) میں بنی اسرائیل سے متعلق کلام شروع ہونا اسی کا قرینہ ہے۔ پس اوپر کے سلسلۂ کلام سے اس نئے مضمون کو جوڑنے اور ربط دینے والی کڑی وہی اوپر کی آخری آیت ٹھہرتی ہے۔ گویا یہود کی اس اسلام دشمن حرکت کا حوالہ آجانے سے حکمتِ الٰہی

مقتضی ہوئی کہ ان لوگوں کو ان کے انبیاء کے ذریعہ ملنے والا عہد و میثاق اس موقع پر ایک بار پھر یاد دلایا جائے (جیسا کہ گزشتہ سورتوں میں مختلف مناسبتوں سے اس کا حوالہ آتا رہا ہے) وہ عہد کہ جس کی ایک شق یہ بھی تھی کہ ان میں سے جس کو نبیٔ آخر الزماں ﷺ کا زمانہ ملے گا وہ اس مقدس نبی کے مؤمن اور حامی و مددگار بنیں گے، نہ کہ معاند و بدخواہ بن کر وہ حرکتیں کریں جو بدترین دشمنوں کی ہوسکتی ہیں۔

اور پھر بات اس عہد و میثاق کے حوالہ ہی پر ختم نہیں ہوگئی ہے بلکہ آگے بڑی تفصیل کے ساتھ ان کا ماضی اور پھر اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے ساتھ ان کا معاملہ زیرِ بحث آتا ہے اور ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ آنکھیں کھولیں، اپنے معاندانہ رویہ سے باز آئیں اور اس گم کردہ حق کو پہچانیں جس کے لئے قرآن مکمل روشنی فراہم کر رہا ہے۔ سلسلۂ کلام کی یہ اگلی کڑیاں ظاہر کرتی ہیں کہ مقصودِ اصلی بنی اسرائیل ہی کو ان کا عہد اور اس کی کچھ سرگذشت یاد دلا کر ایک بار پھر راہِ راست انھیں دکھانے کی کوشش ہے، اگرچہ ضمنی طور پر اس کا ایک بڑا فائدہ خود مسلمانوں کے لئے بھی آگاہی ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ اپنے عہد و میثاق کے معاملہ میں بنی اسرائیل کی سرگزشت سے سبق لیں۔

بنی اسرائیل کا میثاق اور اللہ کا اس پر وعدہ

الغرض فرمایا گیا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ایک عہد نامہ کا پابند کیا تھا اور ان کے بارہ قبیلوں میں سے ہر ایک کا اپنا ایک سربراہ نگرانی کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ پھر اس عہد و قرار کے بعد ہماری طرف سے وعدہ دیا گیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں (اِنّی مَعَکُمْ)۔ ایک مؤمن کے لئے اس سے بڑی کوئی عنایت اللہ کی طرف سے نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنی معیّت کی بشارت اُسے سنائے۔ اللہ ساتھ ہے تو پھر کون چیز رہ جاتی ہے جو کسی قوم یا فرد کے نصیب سے باہر ہو؟ اور جب واقعہ یہ ہو کہ یہ بشارت کچھ نہایت سخت آزمائشی حالات میں کسی کو مل رہی ہو تب تو کیا ہی درجہ اس عنایت کا! بلکہ اس عنایتِ بے نہایت کا موقع ہی وہ ہوتا ہے جب کوئی فرد یا جماعت پُرخطر حالات میں ہو۔ اور ایسا ہی موقع وہ تھا جب بنی اسرائیل کو یہ بشارت مل رہی تھی۔ یہ مصر سے نکلنے کے بعد دشتِ سینا کی آبلہ پائی و بے سروسامانی کا موقع تھا، کہ اِن کے سارے عہد و پیمان ہی اس زمانہ کے ہیں۔ اور یہ معیّتِ الٰہی ہی تھی جس کا ظہور کھانے کے لئے منّ وسلویٰ کے نزول میں، پانی کے لئے پتھر سے چشمہ جاری ہونے کی شکل میں اور سایہ کے لئے بادلوں کا سائبان تنے رہنے کی صورت میں ہوتا رہا تھا۔ بائبل کا عہد نامۂ قدیم آج بھی اس کا پورا گواہ ہے۔

یہ دنیوی کرم تھا جو عہد وقرار کے بعد کیا اس سے پہلے ہی (فرعون سے نجات وغیرہ کی شکل میں) شروع ہو گیا تھا۔ آگے اُخروی عنایت وکرم کی یقین دہانی کے لئے فرمایا گیا کہ ''تم اگر نماز اور زکوٰۃ کے پابند رہے، میرے پیمبروں پر ایمان لاتے اور ان کی نصرت کرتے رہے اور اللہ کو (اس کے دین کی ضرورتوں میں) بہ خوشی قرض دیتے رہے تو میں تمھیں جنت کا وارث بناؤں گا۔'' زکوٰۃ کے بعد ''اللہ کو قرضِ حسن'' کا مطلب بظاہر وہی ہے جسے دوسری جگہ اِنفاق فی سبیل اللہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ جس سے مراد مال کا وہ خرچ ہے جس کا تقاضہ دین کی بقا اور اس کے فروغ کی وقتی یا مستقل ضرورتیں کرتی ہوں۔ پھر فرمایا اور جتایا کہ ''اور اس کے بعد جو کوئی کفر کی راہ پہ چلا تو اسے جان لینا چاہئے کہ وہ سیدھی راہ چھوڑ گیا''۔ یعنی وہ راہ جو جنت میں پہنچانے والی تھی، وہی کہ جس کے لئے سورۂ فاتحہ میں ''صراطِ مستقیم'' کے الفاظ سے دعا کی تعلیم ہمیں دی گئی ہے۔

وعدہ کے سلسلہ کی ایک کڑی شرط

اس ارشاد میں اٰمنتُم بِرُسلی کی شرط سے یہ بھی جتا دیا گیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد بھی پیغمبروں کا سلسلہ جاری رہنے والا ہے اور تم میں سے جو کوئی کسی آنے والے پیغمبر کا زمانہ پائے اسے اس پیغمبر کو بھی ماننا اور اس کی دعوت کا مددگار بننا تمہارے عہد کا حصہ ہے۔ پس عہد کی دوسری دفعات کی طرح اس دفعہ سے روگردانی کا مطلب بھی کفر کی راہ اختیار کرنا ہوا۔ بلکہ باقی دفعات تو اعمال کی ہیں جبکہ یہ دفعہ ایمانیات سے تعلق رکھتی ہے، جن کی اہمیت اعمال سے بڑھ کر ہے۔ لیکن جیسا کہ معلوم حقیقت ہے، خود ان ہی میں عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور ان ہی کے لئے ہوئی، مگر یہ انھیں بھی ہضم نہ کر سکے۔ اور جو کچھ وہ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے کے اپنے انبیاء کے ساتھ کرتے رہے وہ بھی معروف حقیقت ہے اور سابق میں بار بار مذکور ہو چکی ہے۔

عہدِ الٰہی سے روگردانی پر عذابِ لعنت

ان کے اسی رویہ کے حوالہ سے آگے فرمایا گیا: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ پھر (اتنی غیر معمولی مہربانیوں کے بعد بھی) جو انھوں نے عہد شکنی کی تو ہم نے لعنت ان پر (مسلط) کی اور دل ان کے سخت کر دئے۔ اور دلوں کی سختی کی اس لعنت ہی کا نتیجہ ہے کہ اللہ سے بے پروائی کی راہ پر یہ اتنے جری ہو گئے کہ اس کی باتوں میں تحریف کر کے کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں (يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ)۔ اور بڑا حصہ اس تعلیم کا جو انھیں دی گئی تھی طاقِ نسیاں کی نذر کر چکے ہیں (وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ)۔ نسیان جس سے آیت کا لفظ نَسُوا ہے اس کے لغوی معنیٰ تو بھول کے

آتے ہیں مگر، جیسا کہ مفسرین کا بالعموم ارشاد ہے، یہ ترک کر دینے اور خارج از عمل کر دینے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں بظاہر اسی مفہوم میں ہے۔ اور موقع کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ تحریف کی طرح یہ بھی ان کا ارادی عمل ہو نہ کہ بھول چوک والا۔ ہمارے اردو کے محاورہ ''طاقِ نسیاں کی نذر کر دینا'' میں لفظ کے اس ثانوی مفہوم کی بہترین ادائیگی پائی جاتی ہے۔ آیت کا دوسرا محتاجِ تشریح لفظ ''حظًا'' ہے جس کے سادہ معنیٰ تو ایک حصہ کے ہوتے ہیں مگر موقع کے لحاظ سے کہیں اس میں چھوٹے کا مفہوم آجاتا ہے کہیں بڑے کا۔ اور یہاں صاف طور پر موقع بڑے ہی کا ہے۔ ایسا بڑا حصہ کہ جس میں نبیٔ آخر الزماں ﷺ کی رسالت پر ایمان کا فریضہ بھی آسکتا ہو جس سے وہ انکاری ہو گئے تھے۔

ان کی دشمنانہ حرکتوں پر آنحضرت ﷺ کو وصیتِ الٰہی

آگے آنحضرت ﷺ کو خطاب ہو رہا ہے: وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ ''(اور اے نبی ان میں سوائے تھوڑے سوں کے باقی کا حال یہ کہ ان کی کوئی نہ کوئی خیانت تم پہ برابر آشکارا ہوتی ہی رہے گی، سو تم درگزر کرنا جانے دینا۔) اللہ کی کتاب میں تحریف سے بڑھ کر کیا خیانت ہو سکتی ہے؟ مگر وہ تو اس کے بھی مرد بتائے جا چکے ہیں، پھر کونسی خیانت کاری، وہ کسی بھی قبیل کی ہو، مالی ہو کہ اخلاقی ہو، ان کی نظر میں گناہ ٹھہرتی؟ آیت (۱۱) کے الفاظ ''اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ ---'' کی تشریح میں ان لوگوں سے متعلق جو روایات آئی ہیں وہ ان کی اخلاقی خیانت کاری کا اظہار کرتی ہیں۔ کہ انھوں نے دوستانہ انداز کے دھوکہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب کی جان لینے کی کوشش کی تھی۔ اب یہاں جو آنحضرت ﷺ کو عفو و درگزر کی ہدایت ہو رہی ہے اس کا تعلق بظاہر ان لوگوں کی اسی طرح کی حرکتوں سے ہے، جن کا تعلق آنحضرت ﷺ کی بشری ذات سے بنتا تھا، اس لئے کہ آگے ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ'' فرما کر اِس عفو و درگزر کو ایک محسنانہ اور نیکوکارانہ عمل قرار دیا جانا اسی کا قرینہ ہے۔

ان لوگوں کے ساتھ عفو و درگزر کے معاملے کی ہدایت ہم ایک ایسے موقع پر بھی قرآن میں پاتے ہیں جہاں معاملہ ذات کا نہیں دین کا ہے۔ وہاں ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ'' کہہ کر اس کو نیکی کا کام نہیں بتایا گیا بلکہ ایک مصلحت اندیشانہ رویہ کے طور پر اس کی ہدایت فرمائی جا رہی ہے۔ ارشاد ہوا ہے: فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۔ (البقرہ آیت ۱۰۹) یہ ہدایت اس سیاق میں فرمائی گئی ہے کہ ''اہلِ کتاب بڑی فکر میں رہتے ہیں کہ تمھیں کسی طرح دین سے پھیر دیں (وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ

يَرُدُّونَكُم مِنۢ بَعۡدِ إِيمَٰنِكُمۡ ...'') تو ان کے معاملہ میں ہدایت ہوئی ہے کہ عفو و درگزر سے کام لو حتیٰ کہ اللہ اپنا فیصلہ نازل فرمائے۔ یعنی یہ عفو و درگزر کا معاملہ مستقل نہیں رہنا ہے۔ بس مصلحتِ وقت کا تقاضہ ہے۔ چنانچہ وقت بدلا تو پھر ایسے لوگوں کا اصل حکم آ گیا۔ اس کے برعکس ذاتی معاملہ میں آدمی بدلہ کا حق چھوڑتا ہے پس اس بنا پر وہ ایک نیکوکارانہ رویہ اور اہلِ احسان کی شان ہوتی ہے۔ جو اللہ کے یہاں بھی اس کا درجہ بڑھاتی ہے اور اہلِ دنیا بلکہ دشمنوں تک پہ بھی اس کا اخلاقی اثر پڑتا ہے۔ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی ایسی ہی اخلاقی بلندیوں کا نمونہ۔ اسی سے دشمن دوست بھی بنے ورنہ پست و خوار ہوئے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ الغرض عفو و درگزر کو احسان سے تعبیر کرنا قرینہ ہے کہ معاملہ ذات کا تھا۔

روئے سخن نصاریٰ کی طرف

آگے بنی اسرائیل ہی سے پھوٹنے والی ایک شاخ ''نصاریٰ'' کے حوالہ سے فرمایا گیا ہے: وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوٓاْ إِنَّا نَصَٰرَىٰٓ أَخَذۡنَا مِيثَٰقَهُمۡ (اور ان سے بھی کہ جنھوں نے (خود کو) کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان کا عہد لیا تھا، سو وہ بھی بڑا حصہ اُس تعلیم کا جو دی گئی تھی بھلا بیٹھے۔ اس پر آگ ہم نے اُن میں لگا دی قیامت تک کے لئے بغض و عداوت کی۔ اور وہ وقت دور نہیں ہے کہ وہ سب کچھ کہ جو وہ کرتے رہے انھیں ہم وہ جتائیں گے۔''

نصاریٰ ''نصرانی'' کی جمع ہے۔ نصرانی یا مسیحی کہلانے والے اصلاً تو بنی اسرائیل ہی کے ایک شاخ اس بنا پر تھے کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام جن کی طرف اپنی نسبت نصرانی کرتے ہیں انبیاءِ بنی اسرائیل ہی میں سے تھے۔ لیکن بنی اسرائیل کی اُس بدبختی نے جس کا حوالہ اوپر کی آیتوں میں گزرا آپ کو قبول کرنے سے انکار کیا تو رفتہ رفتہ یہ شاخ بنی اسرائیل سے الگ ایک مستقل وجود بن گئی۔ پر یہاں جو عہد لینے کا ذکر ہو رہا ہے وہ بہر حال اسی ابتدائی وقت کا ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ماننے والوں (حواریین) کے درمیان ہوتے تھے۔ اور اس وقت ان کی حیثیت بنی اسرائیل کی ایک شاخ ہی کی تھی۔ اس لئے ذکر بھی ایسا ہی مختصر جیسی ایک شاخ کی حیثیت اپنی اصل کے مقابلہ میں۔ اور اس ذکر کے انداز اور الفاظ سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ شاخ کا معاملہ اصل کے مقابلہ میں ہلکا بھی تھا۔

یہود اور نصاریٰ کے جرم و سزا کا تقابل

نصاریٰ کی فردِ جرم میں فقط ''فَنَسُواْ حَظّٗا مِّمَّا ذُكِّرُواْ بِهِۦ'' کے الفاظ آئے ہیں۔ جس کا مطلب

ہے ''عہد فراموشی'' جبکہ بنی اسرائیل کی فردِ جرم میں فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ کے سنگین تر الفاظ مزید ہیں، جن کا مطلب تھا عہد شکنی۔ فراموشی اور نسیان میں، جیسا کہ اوپر گزرا، اپنی حقیقت کے اعتبار سے تو قصد و ارادہ کا دخل نہیں ہوتا لیکن محاورۃً یہ بالارادہ ترکِ عمل کے لئے بھی ایسے ترک کے مفہوم میں بولا جاتا ہے جیسے یاد ہی نہ رہا ہو یا بھول کر بھی یاد نہ آتا ہو۔ اور یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ جبکہ عہد شکنی اپنی اصل ہی سے قصد و ارادہ اور اصرار چاہتی ہے۔ یعنی یہ ایک کھلا باغیانہ رویہ ہے۔ یہی فرق معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے لئے رہ رہ کر ''لعنت کئے جانے'' کی سزا کا ذکر آتا ہے جس کے نتیجہ میں ان کے دل دل نہ رہے پتھر، بلکہ اور سخت تر ہو گئے حتیٰ کہ وہ اپنے انبیاء (علیہم السلام) کے قتل پہ بے تحاشا جری ہوئے۔ اور یقیناً پھر اسی فرق کا نتیجہ تھا کہ دونوں کے حق میں انجام اور وبال کی شکلیں بھی مختلف ہوئیں۔ بنی اسرائیل کے رویہ کی سزا کا ذکر یہاں تو صریح الفاظ میں نہیں آیا۔ بلکہ اسے فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ میں لپیٹ دیا گیا ہے۔ شاید اس لئے کہ سابق میں ان کی سزا ذلت و مسکنت مسلط کئے جانے کی شکل میں ایک سے زیادہ بار مذکور ہو چکی ہے۔ اور یہ وہ سزا تھی کہ دنیا میں کسی قوم کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور سزا نہیں ہو سکتی۔ نصاریٰ کی عہد فراموشی، جو حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمِ توحید کو شرک آمیز کر دینے کی شکل میں ظاہر ہوئی، باوجود کافرانہ حرکت ہونے کے یہود کے رویہ سے بہر حال ہلکی بات تھی۔ پس اس کی سزا بھی کم تر، صرف یہ رہی کہ یہ لوگ ایک مرکزِ عقیدت کا دم بھرنے کے باوجود ملّی وحدت و یگانگت کی جگہ ایسی فرقہ بندی کا شکار ہوئے کہ باہم خونریزی کی وہ تاریخ بنی کہ عقیدہ کے نام پر ایسے جنگ و جدال کی کوئی دوسری مثال نہیں پائی جاتی۔ تاہم یہود کی طرح ذلت و مسکنت کا ذائقہ ان کو نہیں چکھنا پڑا۔

دنیوی سزا کے بعد اُخروی سزا

قوموں کی دنیوی سزاؤں میں سزا کا ایک عجیب اور المناک پہلو یہ ہے کہ قومیں اسے سزا نہیں سمجھ پاتیں، اسی لئے اپنی راہ پہ لگی رہتی ہیں۔ اس پہلو سے سزا سزا نہیں رہتی۔ سزا تو پوری طرح وہ ہے جس میں سزا کا احساس بھی ہو۔ سو یہ کام آخرت کی زندگی میں ہونا ہے۔ اسی کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے: وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۔ اور اللہ عنقریب انھیں جتائے گا کہ کیا وہ کرتے رہے تھے۔

☆☆☆

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے مسائل کا اصل حل کیا ہے؟

[ہمارے ملک کے صوبۂ اتر پردیش میں پچھلے الیکشن میں مسلمانوں نے بڑی اچھی امیدوں کے ساتھ اپنی بھرپور طاقت لگا کر ایک پارٹی کو مسند اقتدار پر بٹھا دیا، مگر ابھی ڈیڑھ سال بھی نہیں گذرے ہیں کہ حکمران پارٹی کے طرز حکومت سے مسلمانوں میں مایوسی عام ہو رہی ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، یہی تجربہ ہر الیکشن میں دہرایا جاتا ہے —— اور افسوس ہے کہ اس سے کوئی خاص سبق نہیں سیکھا جاتا، ہمیں سمجھنا چاہئے کہ ہمارا اصل مسئلہ ہماری اپنی خرابیاں ہیں، ہمارا باہمی تفرقہ وانتشار، اجتماعی شعور کا فقدان، ذاتی مفادات کو ترجیح دینے کی مہلک عادت، وقت، مال اور صلاحیتوں کا ضیاع، اپنے اجتماعی وزن کے استعمال کے سلیقے سے محرومی وغیرہ وغیرہ متعدد بری خصلتیں ہیں جو ہمارا قومی مزاج بن گئی ہیں، ضرورت ان خرابیوں کی اصلاح کی ہے —— الفرقان کے صفحات میں والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، برادر گرامی حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی اور دوسرے بزرگوں کے بیشمار مضامین اسی رہنمائی پر مشتمل محفوظ ہیں، ذیل میں اسی موضوع پر صاحب الفرقان حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کا وہ مضمون ملاحظہ فرمائیے جو رجب ۱۳۶۷ھ کے ''نگاہ اولیں'' کے صفحات میں شائع ہوا تھا۔]

بلاشبہ مسلمانوں کے مخلص رہنماؤں اور دردمند خادموں کو مدتوں سے اپنی قوم کی زبوں حالی کا پورا فکر واحساس ہے اور جیسا کچھ ان کی سمجھ میں آتا رہا ہے اور جو کچھ ان سے بن پڑا ہے وہ ہمیشہ اس کی کوششیں کرتے رہے ہیں کہ اس تباہ حال امت کی حالت درست ہو اور اس کی وہ زندگی اور وہ مقام حاصل ہو سکے جو اس کے شایان شان ہے —— لیکن اس مقصد کے لئے مختلف اداروں اور جماعتوں کی طرف سے جو نمایاں کوششیں اب تک ہوتی رہی ہیں، غالباً ان سب ہی میں یہ بات مشترک رہی ہے کہ خود مسلمانوں کی زندگی

میں اوران کی سیرت وکردار میں اسلامی نقطۂ نظر سے جس تبدیلی اور جس اصلاح کی ضرورت ہے (اور جس کے بغیر از روئے قرآن حقیقی فلاح ان کے لئے ممکن نہیں ہے) اس کی طرف سے عموماً تغافل ہی برتا جارہا ہے اور ساری کوششیں براہ راست اسی پر صرف ہوتی رہی ہیں کہ برسراقتدار طاقت کی خوشامدوں سے سیاسی داؤں پیچ سے یا لڑ بھڑ کے دوسروں سے مسلمانوں کے لئے کچھ حاصل کیا جائے۔ انگریزی دور میں بھی ہماری قومی تحریکوں اور کوششوں کا محور یہی رہا ہے اور اب بھی ہمارا طرز عمل کچھ یہی ہے —— اس وقت ہندوستان میں ایک نئے دور کا آغاز ہے اور مسلمانوں کی فلاح اور بہتری کے لئے کوششوں کا دائرہ وقت کے خاص حالات کی وجہ سے بہت ہی محدود ہے، صرف نیشنلسٹ مسلمانوں کا ایک مختصر سا طبقہ ہے جس کے لئے اس کی کچھ گنجائش ہے کہ مسلمانوں کے لئے وہ کچھ کرے اور کہے سنے۔ لیکن اس کے سامنے بھی اس کے سوا کوئی راہ نہیں ہے کہ فلاں منسٹر صاحب کی خوشامد کرو، فلاں پارٹی کو مضبوط کرو، اپنے پاسنگ سے فلاں پارٹی کے پلڑے کو بھاری کردو، ان میں سے کسی کا خیال ہے کہ حکومت میں فلاں وزیر صاحب کی پارٹی اگر زیادہ مضبوط اور طاقت ور ہوجائے تو شاید مسلمانوں کے ساتھ انصاف ہونے لگے گا، اور کچھ دوسروں کا گمان ہے کہ اگر سوشلسٹ پارٹی کسی وقت برسراقتدار آجائے تو شاید مسلمانوں کے لئے بھلائی کی صورت پیدا ہوجائے گی۔ بس یہی امیدیں اور آرزوئیں ہیں اور ہندی مسلمانوں کی قسمتیں گویا نہرو جی یا جے پرکاش جی کے دامنِ اقبال سے بندھی ہوئی ہیں۔ سبحان اللہ العظیم

ذہنیت کی اس پستی اور شکست خوردگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان حضرات نے اگر عقیدۃً نہیں تو عملاً مسلمانوں کی فلاح کو اس میں منحصر سمجھ لیا ہے کہ دوسروں سے انہیں کچھ ملے، حالانکہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور حیات ونجات کا مدار صرف اس پر ہے کہ ان میں ایمان وعمل صالح اور اخلاق وکردار کی بلندی پیدا ہو، اگر یہ چیز ہوجائے تو دوسروں کا رویہ آپ سے آپ صحیح ہوجائے گا۔

۱۵/ اگست سے چند مہینے بعد تک جب کہ دھوکہ اور فریب کے سارے پردے واقعات کی تلوار سے چاک ہورہے تھے اور جھوٹی امیدوں اور آرزؤں کے سہارے ایک ایک کرکے ٹوٹ رہے تھے تو اُس تھوڑے عرصہ میں بیشک یہ حالت رہی کہ اکثر قوم کے رہنماؤں اور ملت کے خادموں کی زبانوں پر یہ آنے لگا تھا کہ مسلمانوں کے لئے اب صرف یہی راہ ہے کہ وہ مسلمان بنیں اور اسلام کو اپنی زندگی بنائیں

اور ایمانی سیرت وصفات اپنے میں پیدا کریں —— اس وقت ہم جیسے سطحی نگاہ رکھنے والوں کو یہ امید ہونے لگی تھی کہ شاید ''بتوں'' کی بے وفائی کے اس آخری تجربہ نے ہمارے رہنماؤں کو اس بنیادی غلطی سے نکال دیا ہے اور اب وہ موجودہ دور کی لادینی سیاست سے مایوس ہوگئے ہیں اور مسلمانوں کی زندگی میں اصلاحی انقلاب برپا کرنے کے لئے بنیادی کام کی اہمیت واقدمیت کو انھوں نے پوری طرح محسوس کرلیا ہے اور انشاء اللہ مستقبل میں یہ حضرات اسی میدان میں اپنی جولانیاں دکھائیں گے —— لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ ''غلط بود آں چہ ما پنداشتیم'' —— جیسے ہی فضا کچھ پرسکون ہوئی اور سوشلسٹ پارٹی نے کانگریس سے الگ ہوکر سیاست کی ایک نئی بساط بچھائی تو دیکھا گیا کہ بہت سے وہ سیاسی کھلاڑی بھی جو اس بازی سے اپنی مایوسی کا اظہار کرچکے تھے پھر اسی کھیل میں لگ گئے۔

معلوم نہیں وہ روز سعید کبھی آئے گا بھی یا نہیں جب کہ ہمارے یہ رہنما اور کشتیٔ ملت کے ناخدا اس حقیقت کو سمجھنے کے طور سے سمجھیں گے کہ مسلمان قوم کی جو مخصوص پوزیشن ہے اور اس کا جو ایک خاص مزاج ہے اس کے لئے پاور پالیٹکس کے سلسلہ کی یہ کوششیں کبھی بھی پوری طرح راست پر نہیں آسکتیں، اس کی فلاح وبہبود کا انحصار اسی پر ہے کہ اس میں ایمان اور عمل صالح عام ہو، اسلام اُن کی زندگی ہو، اور تعلق باللہ ان کا شعار اور اعلیٰ کردار یعنی تقویٰ ان کا امتیاز ہو —— **ولن یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا۔**

اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ جائز قسم کی خارجی سیاسی تدابیر کو ہم بالکل ہی چھوڑ دیں بلکہ ہماری گذارش صرف یہ ہے کہ دینی اصلاح اور تعمیر سیرت کے بنیادی کام کو بنیادی کام کا درجہ دیا جائے، اور خارجی تدابیر کو خارجی تدابیر کے درجہ میں رکھا جائے، یہ نہ ہو کہ عملاً صرف خارجی تدابیر ہی میں انہماک ہو اور بنیادی کام بالکل پسِ پشت پڑا رہے۔ اور اپنے نفس کو دھوکہ دینے کے لئے کبھی کبھی تقریروں اور تحریروں، منصوبوں اور تجویزوں میں ان کا ذکر کردیا جائے۔

☆☆☆

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
ترتیب وپیشکش: محمد اختر معروفی

گھریلو زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے چھوٹی چھوٹی مگر نہایت اہم باتیں

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

وعاشروھن بالمعروف

انسان کی زندگی کا مقصد ہے اللہ رب العزت کی بندگی، اس مقصد کے حصول کے لئے مردوں اور عورتوں کے لئے کچھ کام مشترک رکھے ہیں اور کچھ ذمہ داریاں تقسیم کی ہیں، مرد کی زندگی کے کئی کام ہوتے ہیں، مثلاً رزق حلال کمانا، حقوق العباد کو پورا کرنا، حقوق اللہ کو پورا کرنا، اشاعتِ دین کے لئے محنت کرنا، دین کا علم حاصل کرنا، اسی طرح عورت کی بھی گھر میں ذمہ داریاں ہوتی ہیں، مثلا بچوں کی پرورش کرنا، ان کی تربیت کے لئے فکرمند رہنا، گھر کے کام کاج سمیٹنا، اللہ کی عبادت کرنا، تو مرد کی اپنی ذمہ داریاں ہیں، عورت کی اپنی ذمہ داریاں ہیں۔

انسان کی فطری ضروریات کا دائرہ

ان ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوئے انسان کی کچھ جسمانی ضروریات ہوتی ہیں، اللہ رب العزت نے ان ضرورتوں کا ایک Cycle بنا دیا، چنانچہ آپ دیکھیں گی کہ ہر انسان کو ۸ گھنٹے کے بعد بھوک محسوس ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ دنیا میں سب سے صحیح ٹائم دینے والی گھڑی پیٹ کی گھڑی ہوتی ہے، ایک انسان کھانا کھائے تو ۶ گھنٹے ۸ گھنٹے کے بعد پھر اس کو دوبارہ بھوک محسوس ہوتی ہے اور یہ refilling اس کو کرنی پڑتی ہے، تو بھوک پیاس کا ایک سائیکل ہے جو تقریبا ۸ گھنٹے ہے۔ اسی طرح نیند کا بھی ایک سائیکل Cycle ہے، یہ ۲۴ گھنٹے کے بعد ہوتا ہے، آپ آج رات کو عشا پڑھ کے دس بجے سوئیں تو اگلے دن پھر عشاء کے بعد دس

بجے آپ کو نیند محسوس ہوگی، اللہ رب العزت نے نیند کا ایک سائیکل متعین فرمادیا۔

میاں بیوی کے ملاپ میں مناسب وقفہ

اسی طرح شادی شدہ زندگی میں انسان کی جسمانی اور جنسی ضرورت کا بھی ایک سائیکل ہوتا ہے نوجوان جوڑے آپس میں زیادہ جلدی جلدی ملتے ہیں، بڑھاپا آجاتا ہے تو زیادہ وقفہ ہوجاتا ہے، لیکن شریعت کی تعلیمات کو دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہفتہ کا وقفہ ایک مناسب وقفہ خیال کیا گیا ہے، جس پر زندگی کا لمبا عرصہ انسان عمل کرسکتا ہے، اسی لئے حدیث مبارک میں ہے کہ جمعہ کا دن چونکہ شریعت کے مطابق weekend کا دن ہوتا ہے، چھٹی کا دن ہوتا ہے، تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''مَنْ غسَّل و اغتسل یوم الجمعة'' جو خاوند جمعہ کے دن خود بھی نہائے اور بیوی کو بھی نہلائے، اس میں اشارہ ہے کہ میاں بیوی آپس میں ملیں۔ ایک دوسری جگہ ہے کہ ''جو نہائے اور بیوی کے خوشبو لگائے''، اس سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ اس دن کے نہانے سے شریعت کی نظر میں صرف بدن کے میل کچیل کو دور کرنا ہی نہیں بلکہ دل کے خیالات کو بھی پاکیزہ کرنا مقصود ہے، اس کے بعد پھر وہ بندہ اگر جلدی جمعہ کی نماز کے لئے چلے تو حدیث پاک میں اس کے فضائل آئے ہیں، پہلی فضیلت کہ ہر قدم پر ایک سال کے روزے اور ایک سال کی نمازوں کی فضیلت کا ثواب ملتا ہے، دوسری فضیلت کہ ایسا کرنے پر اللہ تعالی خاوند کو دو ثواب دیتے ہیں، ایک اپنے غسل کا ثواب، ایک بیوی کے غسل کا ثواب۔ دوسری حدیث میں ہے کہ انسان جب جنابت کا غسل کرتا ہے تو جتنے پانی کے قطرے جسم سے گرتے ہیں ہر ایک کے بدلے اللہ گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔ اور تیسرا انعام اللہ اس کو یہ دیتے ہیں کہ ایک جمعہ سے لے کے دوسرے جمعہ تک کے جتنے گناہ ہوتے ہیں اللہ تعالی معاف فرمادیتے ہیں۔ تو یہ کتنا خوبصورت دین ہے کہ جس نے انسان کے کھانے پینے سونے اور جنسی ضروریات تک کا خیال رکھا اور میاں بیوی کو ترغیب دی کہ دیکھو عبادت کی نیت سے ملو گے تو ضرورت بھی پوری ہوگی اور اللہ کے یہاں اجر بھی ملے گا، اس کو کہتے ہیں ''ہم خورما وہم ثواب'' کہ کھجور بھی کھاؤ اور ثواب بھی پاؤ، تو یہ جو انسان کی جنسی ضرورت ہے اس کا بھی ایک Cycle ہے۔

وقفہ کی رعایت کرنے میں حکمتیں اور فائدے

جب ایک دفعہ یہ پوری ہوجاتی ہے تو پھر درمیان میں جو وقت ہوتا ہے اس میں خاوند اپنے کاموں میں مصروف ہوجاتا ہے اور بیوی اپنے کاموں میں مصروف ہوجاتی ہے۔ جیسے سمندر کے کنارے بسنے والے

لوگ جانتے ہیں کہ ایک monthly Cycle ہوتا ہے، high tide اور low tide جب چاند کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ ہوتی ہے تو لہریں دس دس فٹ اوپر اچھل اچھل کر آتی ہیں اور جب پہلی تاریخ ہوتی ہے تو پھر بالکل calm quiet ہوتا ہے یہی انسان کی جنسی ضرورت کا معاملہ ہے کہ عام طور پر جب انسان کی ضرورت پوری ہوتی ہے تو low tide کا وقت رہتا ہے، مگر کچھ وقفہ گذرنے کے بعد دوبارہ یہ high tide ہوجاتی ہے، اس میں بھی اللہ کی ایک حکمت ہے کہ اگر ہر وقت میاں بیوی پر high tide کی کنڈیشن رہتی، تو مرد تو پھر گھر میں ہی پڑے رہتے، عورتوں کے طواف میں ہی مشغول رہتے، نہ کوئی کاروبار کرسکتا، نہ کوئی فیکٹری چلاسکتا، عورتوں کا بھی معاملہ اسی طرح ہوتا کہ وہ بھی بچوں سے لاپرواہ ہوتیں، ہر وقت خاوند کے بغل میں گھسی رہتیں، تو اللہ رب العزت نے اتنی خوبصورت زندگی دی ہے کہ جس میں ہر چیز کا خیال رکھا گیا ہے تو وقفہ سے صحت بھی برقرار رہتی ہے اور پھر وقفہ سے ملنے سے محبت کا احساس بھی زیادہ ہوتا ہے۔

میاں بیوی کے ملنے کے چند دیگر مناسب اوقات

اس کے علاوہ بھی انسان کو ضرورت پیش آسکتی ہے، وہ انسان ہے، صرف ایک ہفتہ ہی کا تو مسئلہ نہیں لکھا، شریعت نے اجازت تو ہر وقت دی ہے، چنانچہ شریعت نے کہا کہ مرد اگر باہر پھر رہا ہو اور اس کی نظر کسی غیر محرم پر پڑے اور اس کے دل میں اس کا خیال آجائے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو چاہئے کہ گھر آجائے اور اپنی بیوی سے مل لے، جو کچھ اس عورت کے پاس تھا وہی کچھ گھر میں اس کی بیوی کے پاس ہوگا۔ کتنی خوبصورت تعلیمات ہیں کہ جو کچھ تم باہر ڈھونڈتے ہو جب تمہیں گھر میں ملتا ہے تو پھر گناہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اسی طرح نبی علیہ السلام کی سنت مبارکہ ہے کہ جب آپ سفر پہ تشریف لے جانے لگتے تھے تو اپنے اہل خانہ سے ملاپ کرتے تھے، حدیث پاک میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احرام باندھنا تھا تو جتنی ازواج مطہرات ساتھ تھیں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کے ساتھ وقت گذارا۔ اسی طرح سفر سے واپس آئیں تو بھی بیوی سے ملنا سنت ہے۔ کئی مرتبہ انسان کو خوشی ملتی ہے تو وہ اپنی بیوی سے قریب ہوتا ہے، بیوی کو کوئی پریشانی ہوتی ہے تو وہ خاوند کا قرب چاہتی ہے، یہ انسانی طبائع ہیں، شریعت نے سمجھادیا کہ دیکھو ایک عام cycle کی جو مقدار ہے وہ ایک ہفتہ ہے، اب اپنی زندگی کی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے اس سے کم عرصہ میں بھی مل سکتے ہو، اس سے زیادہ عرصہ میں بھی مل سکتے ہو۔

ذہنی تناؤ کے وقت ایک دوسرے کی رعایت کرنا

بعض مرتبہ جب میاں کے اوپر یا بیوی کے اوپر اتار کی کنڈیشن ہوتی ہے تو غلط فہمی ہوجاتی ہے، شیطان اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس وقت میں خاوند اپنے کام کی طرف توجہ زیادہ دیتا ہے، دفتر کی طرف توجہ زیادہ دیتا ہے، دوستوں میں وقت زیادہ دیتا ہے، تو بیوی سمجھتی ہے کہ شاید یہ باہر نکل کر کہیں involve ہوگیا ہے، حالانکہ ہر وقت تو ایسا نہیں ہوتا کہ خاوند کے باہر نکلنے کا ایک ہی مقصد ہو، خود عورت کے اوپر جب اتار کی کنڈیشن ہوتی ہے تو اس کی طبیعت میں سستی ہوتی ہے، بے اطمینانی سی ہوتی ہے، تھکی ہوئی ہوتی ہے، پریشان ہوتی ہے، طبیعت میں بیزاری ہوتی ہے، شریعت نے کہا کہ ایک ہی کام کے لئے زندگی نہیں دی گئی ہے، ایسے حالات میں تم اللہ کی عبادت کرو، قرآن پاک کی تلاوت کرو، ذکر سے اپنے دل کو اطمینان پہنچاؤ، چنانچہ رب کریم ارشاد فرماتے ہیں: ''کذلك لنثبت به فؤادك'' اے میرے حبیب! جب آپ کا دل مغموم ہوتا ہے تو ہم قرآن پاک کی آیتیں اتارتے ہیں آپ کے دل کو تسلی دینے کے لئے، کاش کہ ہم یہ تجربہ کرتے کہ غم زدہ انسان کو قرآن مجید سے کیا سکون ملتا ہے، غمزدہ دل کو نماز پڑھنے سے کیا لطف ملتا ہے، لیکن ان تجربات سے ابھی ہم واقف نہیں، ہمیں صرف مادی چیزوں کا پتہ ہے، اللہ رب العزت نے جو دلوں کا سکون نیکی میں رکھا ہے وہ آپ کو دنیا میں ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں مل سکتا، تاہم میاں بیوی ایسے وقت میں بہت ایک دوسرے کا خیال رکھیں، کیونکہ جھگڑوں کی بنیاد یہی ہوتی ہے، عورت کئی مرتبہ قریب ہونا چاہتی ہے لیکن مرد جان چھڑاتا ہے، عورت باتیں کرنا چاہتی ہے مرد چپ رہتا ہے، تو عورت کی غلطی یہ کہ مرد کے اتار کی کنڈیشن میں خاموشی کو جدائی نہ سمجھے اور مرد کی غلطی یہ کہ عورت اگر پریشان ہے اور باتیں شیئر کرنا چاہتی ہے complaining does not mean blaming (''شکایت کرنے'' کا مطلب ''الزام لگانا'' نہیں ہوتا) اگر وہ کوئی complain (شکایت) کر رہی ہے تو blame (الزام) نہیں کر رہی ہے، وہ حالات سنا رہی ہے تو اس کو سن لینا چاہئے۔

اس طرح زندگی میں میاں بیوی کو سمجھداری سے کام لینا چاہئے، اسی لئے تو یہ maturity (سمجھداری) کا کام ہے، بعض ملکوں کا قانون ہے کہ ووٹ لینے کی عمر ۱۸ سال، اور شادی کی عمر ۲۱ سال ہوتی ہے، وجہ کیا؟ اس لئے کہ ملک چلانا آسان ہے اور بیوی کا گھر چلانا ایک مشکل کام ہے، شریعت نے کہا کہ دونوں ایک دوسرے کا دل جیتنے کی کوشش کریں۔

بیوی کا دل خوش کرنے کے چند آسان طریقے

چنانچہ آج کی اس محفل میں چند چھوٹی چھوٹی باتیں جن کے کرنے سے بیوی کا دل خوش ہوتا ہے اور بیوی کرے تو خاوند کا دل خوش ہوتا ہے یہ جو چند باتیں ذہن میں آئیں بس ایک روانی میں لکھ دی گئیں، یہ باتیں اتنی نہیں ہیں، آپ سوچیں گی تو ہوسکتا ہے کہ اس سے پانچ گنا زیادہ باتیں اور اکٹھی کرلیں but it is a food for thought (بس اس کو سامنے رکھ کر اس بارے میں خود سوچیں) اتنا ضرور ہے کہ ان باتوں سے آپ کو ایک اندازہ ہوجائے گا کہ میاں بیوی کو کس طرح سے رہنا چاہئے۔

اگر محبت پیار کی زندگی ہے تو پھر شریعت کے مطابق پرسکون زندگی ہے۔ آج کل کیوں شادی کو نوجوان اپنے لئے ایک قید سمجھتے ہیں؟ اس لئے کہ شریعت کی پرواہ نہیں ہوتی، دونوں غلطیاں کرتے ہیں اور شادی پھولوں کی سیج کے بجائے کانٹوں کی سیج بن جاتی ہے، لطیفہ مشہور ہے کہ ایک نوجوان ڈاکٹر کے پاس گیا، ڈاکٹر صاحب! کوئی لمبی عمر کا نسخہ بتائیں، اس نے کہا شادی کرلیں، تو وہ حیران ہوکے کہنے لگا کہ میں نے پوچھا ہے کہ لمبی عمر کا نسخہ بتائیں اور آپ کہہ رہے ہیں کہ شادی کرلیں؟ ڈاکٹر نے کہا: ''اس لئے کہ شادی کرنے کے بعد آپ کو یہ خیال نہیں آئے گا''۔ تو جب شریعت کی خلاف ورزی کی زندگی ہو تو پھر یوں پریشانیاں ہی پریشانیاں ہوتی ہیں اور اگر محبت پیار کی زندگی نبھانی ہے تو شریعت کو سامنے رکھ کر زندگیاں نبھالیں تو پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ کس طرح دلوں کو جوڑتے ہیں اور دلوں کو کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ نتھی کردیتے ہیں۔

چنانچہ شادی کے شروع میں مرد نے جو محبت کا اظہار کیا تھا اس کو پوری زندگی کے لئے معیار بنالے اور وقتاً فوقتاً ان باتوں کا تذکرہ کرتے رہنا چاہئے، تذکرہ کرنے سے یادیں تازہ رہتی ہیں، شریعت نے کہا کہ مرد جب گھر آئے تو مسکراتا ہوا کشادہ پیشانی سے دعا پڑھتے ہوئے داخل ہوتا کہ گھر میں برکت ہو اور بیوی کو محبت بھرا اسلام کہے اور بیوی اگرچہ کاموں میں مصروف ہو مگر اپنے آپ کو فارغ کرکے خاوند کا سلام قبول کرے، خاوند اپنی بیوی کو دس پندرہ منٹ focus attentoin کرے، اس سے پوچھے کہ آپ کا وقت کیسے گذرا؟ آپ نے اس دوران کیا کیا؟ اللہ نے عورت کی طبیعت میں فرمانبرداری رکھی ہے، تو ایک ماتحت ہونے کی وجہ سے اس کی فطرت ہے کہ اس سے کارگذاری پوچھی جائے، اب اس کا میاں ہی نہیں پوچھے گا تو یہ کس کو بتائے گی؟ کس کے سامنے دل کھولے گی؟ اس سے عورت کا دل خوش ہوتا ہے اور اسے

feeling ملتی ہے کہ میرے خاوند کو میری زندگی سے دلچسپی ہے تبھی تو پوچھ رہا ہے کہ آپ کا وقت کیسے گذرا، پھر جب بیوی بتائے کہ میں نے یہ کیا اور یہ کیا، تو ایک آدھ سوال اور بھی پوچھ لیں تاکہ اس کو یہ احساس ہو کہ فقط یہ بات ایک کان سے سن کے دوسرے سے نکال نہیں رہا ہے بلکہ سوچ بھی رہا ہے اور میرے ساتھ شیئر بھی کر رہا ہے، میری زندگی سے واقعی اس کو دلچسپی ہے، اس میں وقت تھوڑا لگتا ہے مگر ایسا کرنے سے بیوی کے دل کو سکون مل جاتا ہے، کبھی کبھی پھولوں کا تحفہ بھی لائیں، ویسے تو شریعت میں خود بیوی کو ہی پھول سے تشبیہ دی گئی ہے، ایک روایت میں ہے کہ سیدنا علیؓ گھر میں تھے تو ان کو کچھ دل لگی سوجھی، تو فاطمۃ الزہراءؓ کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ: ''ان النساء شیاطین خلقن لنا'' کہ عورتیں شیاطین ہوتی ہیں اللہ نے ہمارے لیئے ان کو پیدا کیا ہے، تو فاطمہؓ نے اس کا برا نہیں منایا بلکہ فوراً کہا: ''ان النساء ریاحین خلقن لکم و کلکم یشتھی شم الریاحین'' کہ عورتیں پھول ہوتی ہیں اللہ نے آپ لوگوں کے لئے پیدا کی ہیں اور تم میں سے ہر بندے کا دل چاہتا ہے کہ میں پھول کو سونگھوں، تو علیؓ مسکرا پڑے، فرمانے لگے کہ تمہارا جواب میری بات سے بہت بہتر ہے، تو اللہ رب العزت نے خود عورت ہی کو پھول کی طرح بنایا ہے، اس کے لئے اگر پھول کا تحفہ لائیں تو یہ بھی محبت کا ایک ظہار ہوتا ہے، ایک بات ذہن میں رکھنا کہ عورت کی فطرت ہے کہ مرد جب بھی تحفہ لائے گا وہ اس کی مارکنگ میں اس کو ایک ہی نمبر دے گی چاہے وہ تحفہ چھوٹا ہو اور چاہے وہ تحفہ کتنا ہی بڑا قیمتی کیوں نہ ہو، لہٰذا عقل کی بات یہ ہے کہ بیوی کے لئے چھوٹے چھوٹے تحفے لائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نمبر تو ایک ہی ملنا ہے، یہ خود مہنگے خریدے گی تو اسے قدر بھی آئے گی۔

بیوی کو دیکھ کر محبت کی نظر ڈالیں، یہ ضرور بتائیں کہ یہ کیسی لگ رہی ہے، اس لئے کہ یہ نہا دھو کے کپڑے پہن کے خاوند کے انتظار میں ہوتی ہے، وہ چاہتی ہے کہ خاوند میرے بارے میں کوئی تعریفی فقرہ کہہ دے، یہ تعریف کا فقرہ کہنا سنت عمل ہے، نبی علیہ السلام کی مبارک زندگی سے اس کی مثالیں ملتی ہیں، پیار کی بات کرنے سے، محبت کی بات کرنے سے میاں بیوی کے دل میں محبت گہری ہو جاتی ہے۔

جب بیوی بات کرے تو خاوند کو چاہئے کہ پوری توجہ سے بات سنے، مردوں کے اندر ایک یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ اگر وہ ۵۰ فیصد توجّہ کے ساتھ بھی کوئی بات سن رہے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ سن تو رہا ہوں، بیوی خاوند کی full attentoin (مکمل توجہ) چاہتی ہے، توجہ چاہتی ہے، لہٰذا بات کرتے ہوئے اگر موقع ہو تو بیوی کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھے، یہ ہاتھ کا جو ایک رابطہ ہے اس سے بیوی کو اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔

اگر آپ دفتر میں یا بزنس میں ہیں تو درمیان میں سے وقت نکال کے ایک چھوٹی سی کال کر کے بیوی کی خیریت ضرور دریافت کرلیں، ضرورت دریافت کرلیں کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں آتے ہوئے لیتے آؤں، یا کوئی اور چیز ہو، انسان ہے، صحت ہے، بیماری ہے، گھر کی ضرورتیں ہیں، تو اس طرح اپنے کام کے وقفہ کے دوران ایک چھوٹی سی کال بیوی کے لئے ایک نعمت ثابت ہوتی ہے۔

بیوی کو ہر روز بتائیں کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں، یہ سوچ لینا کہ اب بیوی ہے، محبت آپ ہی سے تو کرتا ہوں، نہیں، اس کی ضرورت ہوتی ہے، اسی لئے تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: جمیرا تم مجھے مکھن اور کھجور کو ملا کر کھانے سے زیادہ پسندیدہ ہو، تو عائشہؓ نے فوراً جواب دیا اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے مکھن اور شہد کو ملا کر کھانے سے زیادہ محبوب ہیں، اب یہ جو محبتوں کا اظہار ہو رہا ہے یہ امت کی تعلیم کے لئے ہو رہا ہے کہ دیکھو تم بڑے صوفی صافی ہو، نیک ہو، عبادت گذار ہو، دین کا کام کرنے والے ہو، تمہاری عبادتیں سب اپنی جگہ، گھر میں تم آؤ تو بیوی سے محبت کا اظہار کرو، چپ رہنا، منہ بنائے رکھنا اور کہنا کہ آپ ہی سے تو محبت کرتا ہوں اور کس سے کرتا ہوں، یہ درست نہیں ہے، محبت اظہار چاہتی ہے، نہ مشک چھپ سکتا ہے، نہ عشق چھپ سکتا ہے، جس خاوند کے دل میں محبت ہوگی اس کی باتوں سے اس کا اظہار ہو کر رہے گا، بیوی کے دل میں محبت ہوگی تو اس کی باتوں سے اس کا اظہار ہو کر رہے گا۔

اسی طرح اگر خاوند شہر سے باہر کا سفر کرے تو اس کو چاہئے کہ باہر کے شہر میں بھی اپنے فون کو ON رکھے بند نہ کردے اور اگر ON رکھے تو اس کو اٹھا بھی لیا کرے، کیونکہ کئی مرد جب دوسرے شہر میں جاتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ جان چھوٹ گئی۔ سنت یہ ہے کہ انسان کو جب سفر پر جانا ہو تو جانے سے پہلے بھی بیوی سے ملاپ کرے اور اگر سفر سے واپس آنا ہو تو واپس آنے کے بعد بھی ملاپ کرے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے بھی اس کی بہت اہمیت لکھی ہے۔

مرد کو چاہئے کہ وہ بھی بیوی کے لئے اچھے کپڑے پہنے، خوشبو لگائے، اسوۂ صحابہ پر عمل کرے، چنانچہ ایک صحابی کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بہت اچھی خوشبو لگاتے تھے تو پوچھنے پر انھوں نے فرمایا کہ میری دو بیویاں ہیں اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان کے لئے ایسا بن کر رہوں کہ ان کے دل میرے پاس آکر مطمئن ہو جائیں۔

شریعت نے کہا کہ اگر خاوند بیوی سے خصوصی وقت لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے پیغام بھیجے، صحابہ

نے کہا اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! پیغام بھیجنے سے کیا مراد؟ تو فرمایا کہ بوسہ دینا، یہ قاصد ہوتا ہے یعنی بیوی کو محبت کی نظر سے دیکھنا، کوئی ایسا لفظ بولنا کہ بیوی کو پتہ ہو کہ خاوند ملاپ چاہتا ہے، یا بیوی کو بوسہ لینا۔

اب دیکھئے کہ شریعت کی کیا خوبصورتی ہے کہ پہلے اگر ایک بات کردی جائے تو دوسرا بندہ اگر وہ پہلے کسی کام میں مصروف بھی تھا تو اب ذہن بن جانے کی وجہ سے اس کو میل ملاپ کی بھی دلچسپی زیادہ ہوجاتی ہے، یہ کوئی ایسا کام تو نہیں کہ انسان جانور کی طرح آئے اور ایک دوسرے کے ساتھ ملے، چنانچہ شریعت نے بتایا کہ جب میاں بیوی آپس میں وقت گذارنا چاہتے ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کچھ دیر پیار محبت کی باتیں کریں، تاکہ ان کے دلوں کو اس سے سکون مل سکے۔

کبھی کبھی گھر کے اندر بغیر جنسی باتوں کے ویسے مذاق کی کیفیت پیدا کردینا یہ بھی مرد کی ذمہ داری ہے، روکھا پھیکا رہنا، rough and tough رہنا، سیریس رہنا، یہ شریعت نے اچھا نہیں سمجھا، کوئی ایسی بات کردی، کوئی لطیفہ سنادیا جس سے کہ طبیعتوں کے اندر انشراح آجائے، خوشی آجائے، یہ مرد کی ذمہ داری ہے۔ لوگوں کے سامنے بیوی کو محبت بھرے الفاظ کے ساتھ خطاب کرے، مثال کے طور پہ: زینب جی، مریم جی، عائشہ جی، مرد کو محسوس تو ہوتا ہے کہ یہ جی کا لفظ استعمال کرنا میری انا کے خلاف ہے، مگر شریعت نے اس کو پسند کیا ہے، آپ محبت کا لفظ بیوی کے لئے بولیں گے تو آپ نہیں سمجھتے کہ یہ multiply (کئی گنا بڑھ کر) ہوکر کتنی محبت بیوی کے دل میں آپ کے لئے پیدا کردے گا، کئی مرتبہ تو دیکھا ہے کہ دوسروں کے سامنے بڑے رعب سے خطاب کرتے ہیں مگر بیوی کے دل میں کتنا بڑا سوراخ کردیتے ہیں اس کا ان کو پتہ نہیں ہوتا، بیوی بھی تو انسان ہے، پاؤں کی جوتی تو نہیں ہے، تو گفتگو کے اندر محبت بھرے الفاظ بولنا کہنا یہ بھی شریعت کی تعلیمات میں سے ہے۔

مجمع کے اندر لوگوں کے بجائے بیوی کو اہمیت زیادہ دیں، ہم نے دیکھا ہے کہ رشتہ داروں میں آپس میں کوئی ایسی محفل ہو تو پھر دوسرے لوگوں کے سامنے بیوی کو بھول جاتے ہیں، دوسرے لوگوں کی کیئر زیادہ کرتے ہیں، بیوی کو نظر انداز کرتے ہیں، اس سے بیوی کی تذلیل ہوتی ہے، ایسا کرنا مناسب نہیں، یہ بیوی کا شرعی حق ہے کہ اس کو دوسروں کی نسبت زیادہ اہمیت ملے۔

بچوں کے سامنے بیوی کو اہمیت بہت زیادہ دیا کریں، اس لئے کہ بیوی ہی کو بچوں کی تربیت کرنی ہوتی ہے، کئی مرد بچوں کے سامنے بیوی کو ڈانٹ ڈپٹ کرکے سمجھتے ہیں کہ ہم نے ڈر پیدا کردیا، یہ بہت ہی

ان پڑھ اور جاہل ہونے کی دلیل ہے، آپ اگر بچوں کے سامنے اپنی بیوی کو خود ذلیل کریں گے تو کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ وہ بچے کل اپنی ماں کی بات مانیں گے، وہ کہیں گے کہ ماں کی تو ویلیو ہی کوئی نہیں ہے تو ماں کی ویلیو بچوں کی نظر میں بنانا یہ خاوند کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

بیوی کو بتایا کریں کہ جب آپ دور تھے، آفس میں تھے، بزنس میں تھے، تو آپ نے اسے یاد کیا اور آپ اسے مس کر رہے تھے، اتنی سی بات سے بیوی کے دل کو سکون ہوتا ہے۔

جب بیوی سے بات کریں تو eye contact (آنکھوں سے آنکھیں ملانے) کو نہ بھولیں، اس لئے کہ بیوی چاہتی ہے کہ خاوند کی نظر میرے اوپر پڑے، لہٰذا بیوی سے بات کرتے ہوئے آنکھوں میں آنکھیں ملا کر بات کرنا اس سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور زیادہ بڑھتی ہے۔

شریعت نے کہا کہ اگر کسی کام کے لئے گھر سے باہر جانا ہے اور گھر میں کوئی اور ایسا نہیں ہے اور بیوی سے ملنا ہے تو ایک دوسرے سے مل کے بوسہ لے کے پھر جائیں، حدیث پاک میں ہے نبی علیہ السلام کو ایک مرتبہ نماز کے لئے جانا تھا، عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نماز کے لئے نکلتے ہوئے نبی علیہ السلام نے میرا بوسہ لیا اور نماز کے لئے تشریف لے گئے، اور بلاشبہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی مبارک زندگی ہمارے لئے روشنی کا ایک مینار تھی۔

اگر آپ محسوس کریں کہ خاوند بہت عرصہ مصروف رہا اور بیوی بھی بہت عرصہ مصروف رہی اور فیملی بھی ایسی جوائنٹ تھی کہ آپس میں وقت ہی نہیں مل رہا تھا تو آپ کبھی کبھی کنوارا عمرہ کرنے کی کوشش کریں، کنوارا عمرہ سے مراد یہ کہ اگر بچے اتنے بڑے ہیں کہ ان کو کسی کے سپرد کر کے جا سکتے ہیں تو میاں بیوی اکیلے عمرہ پہ جائیں، ہم نے دیکھا ہے کہ یہ عمرہ کے دس پندرہ دن جو میاں بیوی اکیلے گذارتے ہیں اس سے اللہ کا بھی قرب بڑھتا ہے اور میاں بیوی کا آپس میں بھی قرب بڑھتا ہے۔

نبی علیہ السلام کی سنت مبارکہ ہے کہ آپ ﷺ رات کو اپنی بیوی کے ساتھ ایک ہی بستر پر آرام فرماتے تھے، یہ سنت عمل ہے، بغیر کسی خاص مجبوری کے میاں بیوی کو چاہئے کہ اس سنت کو نہ چھوڑیں، ہاں بچے جب بہت بڑے ہو جاتے ہیں اور خود شادی شدہ ہو جاتے ہیں، اس وقت میاں بیوی الگ الگ جگہوں پہ سو جائیں تو ٹھیک ہے مگر پھر بھی ایک دوسرے سے قریب آنے کا ان کو وقت نکالنا چاہئے۔

اگر بیوی کسی بچے سے upset (ناراض) ہے تو آپ ہمیشہ بیوی کی سائیڈ لیں، اگر آپ نے بچے کی

سائیڈ لی تو بیوی کی آپ نے تذلیل کردی۔

اگر کبھی ضرورت پڑے تو بیوی کا آپ ہاتھ پکڑیں سہارا بھی دیں، مثال کے طور پہ بیوی بیمار ہے pregnant (حاملہ) ہے تو کہیں آنے جانے میں کئی مرتبہ اس کو سہارے کی ضرورت پڑتی ہے تو یہ مردانگی کے خلاف نہیں ہے کہ ایسے وقت میں خاوندان کو سہارا دے دے۔ نبی علیہ السلام کی مبارک سنت ہے کہ جب حضرت صفیہؓ شادی کے بعد اونٹ پہ سوار ہونے لگی تھیں تو ان کو کسی جگہ پاؤں رکھنے کی ضرورت تھی تو کتابوں میں لکھا ہے کہ نبی علیہ السلام آگے بڑھے اور آپ نے اپنی ران پیش کی کہ صفیہ! اس پہ پاؤں رکھو اور اونٹ پہ چڑھ جاؤ، اللہ کے پیارے حبیب جو کائنات کے سردار ہیں، فرشتوں کے سردار ہیں، امام الاولین والآخرین ہیں، ان کا اس طرح اپنی ران پیش کرنا کہ بیوی اس پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھ جائے اس میں ہمارے لئے بہت بڑا اسبق ہے۔ تو بیماری کی حالت میں ضرورت کے وقت میں سہارا دینا یہ گویا نبی علیہ السلام کی مبارک سنت ہے۔

بیوی کو اگر کسی وقت سر درد وغیرہ ہو یا کام کر کے تھکی ہوئی ہو تو آپ اس کی مدد کریں۔ نبی علیہ السلام گھر میں گھر کے کاموں میں دلچسپی لیا کرتے تھے، آٹا بھی آپ ﷺ نے گوندھا، بکری کا دودھ بھی آپ ﷺ نے نکالا، آپ ﷺ نے اپنے کپڑے بھیٹھیک کئے، جوتے بھی ٹھیک کئے، تو گھر کے کاموں میں comtribute (مدد) کرنا، شیئر کرنا، حصہ لینا، یہ بھی آباد گھر کی نشانی ہوتی ہے۔

جب آپ کپڑے اتاریں تو مرد کو چاہئے کہ کپڑوں کو پھیلائیں نہیں، یہ ایک عجیب عادت ہوتی ہے کہ کپڑے اتارتے ہیں تو بنیان کہیں پڑی ہوتی ہے اور تہبند کہیں ہوتی ہے، کرتا کہیں ہوتا ہے، اس طرح بے ڈھنگا کپڑوں کو پھیلا دینا یہ دوسرے بندے کے دل کو معیوب ہوتا ہے، بلکہ اچھی عادت تو یہ ہے کہ کپڑے اتاریں تو ان کی سائیڈیں بھی ٹھیک کردیں، اگر اتارنے کی وجہ سے ان کے اندر کی سائیڈ باہر ہے تو اس کے رخ کو ٹھیک کردیں اور ایک جگہ پر کپڑے رکھیں تاکہ دوسرے بندے کو جب کپڑے اٹھا کر دوسری جگہ پہنچانے ہوں تو اس کی طبیعت کے اندر کراہت نہ ہو۔

کہیں جانا ہو تو اپنی گاڑی کو صاف رکھیں، اپنی گاڑی کو صاف رکھوانا یہ عورت کی ذمہ داری نہیں ہوتی، یہ مرد کی ذمہ داری ہے، عورت جب گاڑی میں آکے بیٹھتی ہے، چیزیں بکھری پڑی ہیں، گندگی ہے، مٹی ہے، تو اس کی طبیعت کے اندر بیزاری ہوتی ہے۔ اور جب بھی بیوی کے ساتھ اپنی گاڑی میں سفر کریں تو AC

چلانے کا اختیار بیوی کے حوالے کردیں، اس کی وجہ یہ کہ عورتیں عام طور پر پردے میں ہوتی ہیں تو جو گرمی ان کو محسوس ہورہی ہوتی ہے وہ مرد کو محسوس نہیں ہورہی ہوتی تو مرد ضرورت ہی نہیں محسوس کرتا اور عورت کے لئے پردے کے اندر پھر گاڑی کی بند کیفیت میں بیٹھنا ایک مصیبت بنا ہوا ہوتا ہے، تو کوشش یہ کریں کہ جب گاڑی میں بیٹھیں تو گاڑی چلانے کا اختیار بیوی کے ہاتھ میں ہو۔

اسی طرح اگر گھر کے اندر cash جمع ہوگیا ہے تو اس کو باہر پہنچانا یہ مرد کی ذمہ داری ہے، گھر کے اندر بجلی کا کام کروانا ہے، پلمبر کا کام کروانا ہے تو یہ عورت کی ذمہ داری نہیں ہوتی، یہ مرد کی ذمہ داری ہوتی ہے، اگر کوئی لائٹ فیوز ہوگئی ہے تو بلب کو بدلنا، ٹیوب کو بدلنا یہ بیوی کی ذمہ داری نہیں ہوتی ہے، یہ خاوند کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

اگر آپ نے شاپنگ (خریداری) کی ہے اور grocery (سوداسلف) کے بیگ گاڑی میں آپ لے کے آئے ہیں تو بیگ کو گاڑی میں لانا اور گاڑی سے گھر پہنچانا یہ مرد کی ذمہ داری ہے، چنانچہ کئی صحابۂ کرام اپنے گھر کا سامان اپنے سر پر اٹھا کر اپنے گھروں میں لایا کرتے تھے تو g r o c e r y کے سامان کو اٹھا کر لانا اس کو مرد اپنی شان کے خلاف نہ سمجھا کرے۔

اگر سفر پر جانا ہے اور وزنی بکسے ہیں تو ان کو اٹھانا مرد کی ذمہ داری ہے، گھر سے چیزیں گاڑی میں لے جانا اور گاڑی کی ڈگی میں رکھنا یہ مرد کی ذمہ داری ہے۔

گاڑی چلاتے وقت اس کا ضرور خیال رکھیں کہ جھٹکے نہ لگیں، کئی مرتبہ لاپرواہی کی وجہ سے ایسی بریکیں لگ رہی ہوتی ہیں کہ بیجا جھٹکے ہوتے ہیں تو وہ سواریوں کے لئے بیزاری کا ذریعہ بنتی ہیں، ہم نے تو دیکھا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بیٹھے ہوتے ہیں اور چھوٹے بچوں کو بھی پتہ چل جاتا ہے کہ یہ جھٹکا جو لگا اچھا نہیں تھا۔

اگر آپ کو کہیں سفر پر جانا ہے تو راستہ کا نقشہ ضرور اچھی طرح سمجھ لیں تاکہ راستہ میں رکنا نہ پڑے، پوچھنا نہ پڑے، کوئی تنگی پیش نہ آئے، بار بار راستہ بھولنا خاوند کے لئے مناسب نہیں ہوتا۔

سفر میں نکلتے وقت بیوی کے لئے ۱۵۔۲۰ منٹ کا margin اپنی پلاننگ میں خود رکھا کریں، مثلاً اگر آپ کو ۸ بجے نکلنا ہے تو بیوی کو بتائیں کہ ہمیں پونے ۸ بجے نکلنا ہے، اب ۱۵ منٹ کا آپ نے جو ٹائم دے دیا ہے وہ اس لئے ہے کہ بیوی کو خود بھی تیار ہونا ہے، سامان بھی تیار کرنا ہوتا ہے اور کئی مرتبہ بچوں کو بھی

تیار کرنا ہوتا ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ سب تیار کھڑے ہیں بچہ کہتا ہے کہ مجھے باتھ روم جانا ہے یا بیوی سمجھتی ہے کہ ابھی اس کو اگر باتھ روم لے گئی تو سفر میں تنگ نہیں کرے گا ورنہ گاڑی میں بیٹھتے ہی بچے کہتے ہیں کہ ہمیں باتھ روم کی ضرورت ہے تو چونکہ عورت کے ساتھ بچوں کے معاملات بھی ہیں اس لئے جب سفر پر نکلنا ہو تو اپنے ذہن میں ۱۵۔۲۰ منٹ کا margin رکھا کریں اور اگر نکلنے میں دیر ہو جائے تو غصہ نہ کیا کریں، ہم نے کئی لوگوں کو دیکھا ہے کہ ایسی mathematical life بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم نے ۸ بجے کہا تھا ۸ بج کر ۵ منٹ کیوں ہو گئے؟ بھائی انسان ہے اس چیز کا سیفٹی فیکٹر (تحفظ کا سامان) آپ پہلے سے calculation میں add کر لیا کریں (حساب میں ملا لیا کریں)، اگر وہ پہلے تیار ہو جائیں تو ان کا شکریہ ادا کریں کہ وقت سے پہلے نکل آئیں اور اگر ۱۵۔۲۰ منٹ لیٹ نکلیں تو بھی سمجھیں کہ یہ ایک نارمل چیز ہے، زندگی کی یہ routine ہے۔

اگر کبھی کبھی ٹائم فارغ ہے تو آپ بھی بیوی کے لئے چائے بنائیں، یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ وہ ساری زندگی آپ کے لئے کھانے بناتی رہے اور آپ کو کچھ کرنا آپ کی شان کے خلاف ہے۔ گھر کے اندر اسی طرح محبتیں بڑھتی ہیں کہ انسان دوسرے کا احساس کرے اور اپنی concern show کرے، (محبت دکھائے) ہاں اللہ کرے کہ بیوی کو چائے پسند بھی آجائے۔

اگر بیوی جائز وجہ سے خفا ہو تو اس کی ناراضگی کو دور کرنے کی کوشش کریں اور sorry کر لیں، اس sorry کرنے میں عظمت ہے، ذلت نہیں ہے، اگر فرض کرو آپ اپنی بزنس کے کام میں لیٹ ہو گئے ہیں تو کال کر کے بیوی کو ضرور بتا دیں کہ مجھے یہ وجہ پیش آ گئی، میں اتنے بجے کے بجائے اتنی دیر سے آؤں گا، تاکہ وہ گھر میں انتظار کی شدت میں عذاب میں مبتلا نہ رہے، کہتے ہیں کہ ''الانتظار اشد من الموت'' مرد کو اندازہ نہیں ہوتا مگر ہم نے دیکھا ہے کہ نیک بیویاں کھانا بنا کے بھوکی ہونے کے باوجود بھی دو دو گھنٹے انتظار میں رہتی ہیں کہ میاں آئے گا تو میں ان کے ساتھ مل کے کھانا کھاؤں گی تو، لہٰذا ان کی ان کیفیات کا لحاظ کیا کریں۔

آپ پریشان ہوں تو بیوی کو بتا دیں کہ میں اس وقت ذرا خاموش خاموش ہوں، تو میری خاموشی سے آپ پریشان مت ہونا۔

گھر میں آنے جانے سے پہلے آپ اسے بتائیں کہ میں گھر سے باہر جا رہا ہوں یا میں گھر کے قریب

ہوں، میں آرہا ہوں، چنانچہ نبی علیہ السلام نے صحابہ کو یہ تعلیم دی کہ تم گھر جانا چاہو تو گھر والوں کو پہلے اطلاع دے دیا کرو۔

بیوی کو کبھی بھی بدصورت ہونے کا طعنہ نہ دیں، اس لئے کہ جب ان کو پسند کیا تھا تو خوبصورت تھی، اسمارٹ تھی، سب کو اچھی لگی تھی، اسی لئے تو شادی ہوئی تھی، اب شادی کے بعد بیوی کی صحت کا کنٹرول کسی بندے کے پاس نہیں ہوتا، pregnancy (حمل) کی وجہ سے بچوں کی وجہ سے metabolism پہ (جسمانی نظام) اثر ہوتا ہے، کئی عورتیں weight gain کر جاتی ہیں (وزن بڑھ جاتا ہے)، کئی عورتوں کے چہروں پہ وہ چمک دمک نہیں رہتی، یہ ایک زندگی کا حصہ ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب ۴ بچوں کی ماں بننے کے بعد آپ یہی expect کریں کہ جس دن شادی ہو کے آئی تھی جو چمک اس وقت تھی وہ آج بھی ہونی چاہئے، اپنا چہرہ دیکھ لیں جب آپ کی شادی ہوئی تھی جو چمک اس وقت تھی آج آپ کے چہرہ پر ہے؟ اپنے چہرہ پر جھریاں پڑی ہوتی ہیں اور بیوی کو وہ miss universe (حسینۂ عالم) دیکھنا چاہتا ہے۔

اگر کوئی بات آپ کو بری لگتی ہو تو ہنسی ہنسی میں اپنی بیوی کو ضرور بتا دیا کریں کہ آپ کی فلاں بات مجھے بری لگتی ہے، پیار سے ہنس کے بتائیں گے تو بیوی اس کام کو فوراً ٹھیک کر لے گی، سیریس ہو کر بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بیوی کو کبھی کسی دوسری عورت کے ساتھ compare (تقابل) بھی نہ کیا کریں، ہم نے دیکھا ہے کہ گھروں میں اس وجہ سے بھی جھگڑے ہوتے ہیں کہ بیوی کو کہتے ہیں کہ آپ اچھی نہیں ہو اور فلاں عورت تو بہت اچھی ہے، اس سے بیوی کی تذلیل ہوتی ہے، کیوں کسی کا دل دکھاتے ہیں؟ اور دل آزاری کرتے ہیں؟ تو بیٹھ کر بیوی کا comparison کرنا یہ بھی جہالت کی دلیل ہوتی ہے۔

انسان اگر toilet کا استعمال کرے تو فلش کرنا نہ بھولے، اس حال میں چھوڑے کہ اگر کسی دوسرے کو استعمال کرنا ہو تو اس کو کراہت نہ ہو، مردوں میں ایک عام بات دیکھی ہے کہ غسل خانے میں جب نہاتے ہیں تو پانی خوب پھیلاتے ہیں، چاروں طرف رحمت کی بارش ہوتی ہے۔ بیوی کے ساتھ گھر میں اگر کوئی گیم کھیلیں جیسے badminton ہے یا ہلکی پھلکی کوئی چیز ہے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک دوڑنا ہے تو یہ بھی ایک سنت عمل ہے مگر آپ کبھی کبھی ہارا بھی کریں، ہمیشہ جیتنا یہ بھی اچھا نہیں ہوتا۔

بیوی کے والدین بہن بھائیوں کی خیریت کا حال پوچھنا اور ان کو کال کرنا یہ بھی مرد کی ذمہ داری ہوتی

ہے، اس سے بیوی کے دل میں محبت بڑھتی ہے۔ ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ شادی کے بعد بیوی کے اہل خانہ سے تعلق رکھنا یہ مرد کی ذمہ داری ہے اور مرد کے اہل خانہ سے اچھا تعلق اور رابطہ رکھنا یہ بیوی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

جو birthday (سالگرہ) ہے اس کو منانا شریعت نے اس کی تو اجازت نہیں دی، یہ تو غیر مذہب والوں کا طریقہ ہوتا ہے، البتہ جس دن شادی ہوئی ہو اس wedding day کو یاد رکھنا اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، لہٰذا کوشش کریں کہ اگر wedding day ہو تو بیوی کو کوئی ہدیہ دیں، کوئی اچھا کھانا اس کی کوئی اچھی دعوت کریں، اس سے یہ ہوتا ہے کہ بیوی کو ایک پیغام ملتا ہے کہ آپ بیوی سے محبت کرتے ہیں۔

اگر بیوی سوئی ہوئی ہو تو بلا وجہ اس کو جگا دینا یہ سنت کے خلاف ہے، حدیث مبارک میں ہے عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں سوئی ہوئی تھی تو اللہ کے حبیب ﷺ بستر سے نیچے اترے بہت نرم طریقہ سے اور پھر جوتا پہنے بغیر ننگے پاؤں نرم چلے تاکہ آواز نہ ہو، جب میں نے پوچھا اے اللہ حبیب ﷺ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو فرمایا عائشہ! تم سو رہی تھیں میرا جی چاہا کہ تمہاری نیند میں disturbance (خلل نہ پڑے) نہ ہو، اللہ کے پیارے حبیب ﷺ اگر اپنی بیوی کی نیند کا اتنا لحاظ رکھتے ہیں تو ہمیں بھی اس سنت پر عمل کرنا چاہئے، ہاں اگر کوئی کام ہے، جگانا ضروری ہے تو محبت پیار سے جگائیں، غصے میں آکے یہ نہ کہیں کہ میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ اتنے بجے یہ کام کر دینا، بھائی وہ انسان ہے، اس طرح آپ harsh (سخت) لفظوں میں کیوں اس کو جگا رہے ہیں؟ پیار سے اس کو کوئی لفظ بول دیں، آپ اس کو ہاتھ لگا کر کہیں کہ اللہ کی بندی اٹھو یہ کام کرنا ہے، نماز کا وقت ہو گیا ہے، تو پیار سے جگانا یہ بھی ایک اچھا خلق ہے۔

بیوی کو کبھی بھی humiliate (تذلیل) نہ کریں اور نیچی نظر سے نہ دیکھیں کہ اس کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، شریعت نے کہا کہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا ہے، وہ تمہارے لئے کوئی خریدی ہوئی باندیاں نہیں ہیں، وہ تمہارے لیئے زندگی کا ساتھی ہیں۔

خرید و فروخت کے معاملہ میں خاوند کو چاہئے کہ بیوی کو choice (اختیار) دے دیا کریں، ان کو جو رنگ اچھا لگتا ہے، جو کوالیٹی اچھی لگتی ہے، ان کی مرضی کی خرید و فروخت ہو جائے گی تو ان کے دل کو اس سے بہت خوشی ملے گی۔

گھر کے اخراجات خاوند کی ذمہ داری ہوتی ہے، مگر بیوی کو جیب خرچ دینا یہ بھی بیوی کا حق ہوتا ہے، شریعت نے اس کو لازم کہا ہے تا کہ اس جیب خرچ سے وہ اپنی ذاتی ضرورت کی چیزیں لے سکے، اور پھر اس جیب خرچ کے بارے میں اس سے پوچھا بھی نہ کریں کہ اس نے خرچ اس کو کس طرح سے کیا۔

اگر بیوی کبھی کوئی اچھا کام کرے جس سے بہت دل خوش ہو تو خاوند کو چاہئے کہ انعام بھی دیا کرے، جانوروں کو انعام دیا جاتا ہے تو وہ فرمانبرداری کر لیتے ہیں، یہ جتنے جانور مختلف جگہوں پر دیکھتے ہیں کہ انسان جو کہتے ہیں جانور کر دیتے ہیں، مچھلی نے اتنی اونچی چھلانگ لگا کر فٹ بال کو hit کیا، یہ incentive (ترغیبی انعام) سے ہوتا ہے، incentive کا انسان کی طبیعت پہ اثر پڑتا ہے، تو اگر بیوی نے کوئی اچھا کام کیا، کوئی اچھا معاملہ کیا، جس سے آپ کا دل واقعی خوش ہوا تو آپ اپنی بیوی کو ایسے موقع پہ انعام دیا کریں، کوئی چیز خرید کے دے دی، کپڑے دے دئے، جوتے دے دئے، پرفیوم دے دئے تو اس سے دل خوش ہوتا ہے۔

بیوی کا نام اگر کوئی ایسا ہے جس سے بیوی کو ایک محبت کا پیغام پہنچے تو یہ بھی ایک اچھی عادت ہے، نبی علیہ السلام سیدہ عائشہؓ کو حمیرا کے لفظ سے مخاطب فرمایا کرتے تھے، حمیرا کہتے ہیں جس جس عورت کا یا بچی کا رنگ سفید اور سرخ ہو، انگلش زبان میں اس کو pinky کہتے ہیں، آپ pinky نہیں کہہ سکتے تو rosy کہہ دیا کریں۔

شوہر کا دل خوش کرنے کے چند آسان طریقے

اب یہ تو باتیں تھیں جو مرد کرے، بیوی کیا کرے؟ چند باتیں یہ بھی سن لیجئے۔

جب بھی بیوی خاوند کی تعریف کرتی ہے خاوند کے دل میں بیوی کی محبت بڑھتی ہے، ہم نے دیکھا کہ اس میں بیویاں بہت کوتاہی کرتی ہیں، خاوند جتنے اچھے کام کر لے جتنا ان کا خیال کر لے تعریف کا لفظ تو ان کی زبان پہ آتا ہی نہیں، معلوم نہیں کیوں زبان پہ تالے لگ جاتے ہیں، ایک تو کسی بات پہ شکریہ ادا نہیں کرتیں، اور اس کا تو نبی علیہ السلام نے بھی اظہار فرمایا کہ خاوند کا شکریہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے میں نے دیکھا کہ معراج کی رات بہت ساری عورتیں جہنم کے اندر تھیں، تو خاوند کا شکریہ ادا کرنے پر جنت ملتی ہے تو appreciate کیا کریں۔

بعض عورتوں کی عادت ہی بن جاتی ہے ہر بات criticize (مذمّت) کرنا، آپ نے یہ ٹھیک نہیں

کیا، آپ نے وہ ٹھیک نہیں کیا، یہ بیزاری کی کیفیت اللہ کی طرف سے ایک عذاب ہوتا ہے، اس لئے تعریف کیا کریں، سیدہ عائشہؓ نبی علیہ السلام کی تعریف میں فرماتی تھیں

لناشمس و للآفاق شمس

اے آسمان! ایک تیرا بھی سورج ہے اور ایک میرا بھی سورج ہے، فرق یہ ہے کہ تیرا سورج صبح میں طلوع ہوتا ہے اور میرا سورج عشاء کے بعد طلوع ہوتا ہے اور اے آسمان! تیرے سورج کی روشنی تو ایک روز ختم ہوجائے گی میرے سورج کو اللہ نے جو عزتیں بخشیں وہ کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ آپ نے کبھی خاوند کو کوئی ایسا محبت بھرا شعر بنا کے سنایا؟ حالانکہ اس نے آپ کے ساتھ کتنے احسانات کئے ہوتے ہیں؟ تو عورتوں کے اندر یہ کوتاہی بہت زیادہ ہے حالانکہ جب خاوند کو یہ احساس ہوتا ہے کہ بیوی محبت کا اظہا کر رہی ہے تو خاوند کے دل میں بیوی کی محبت multiply ہوجاتی ہے (کئی گنا بڑھ جاتی ہے)۔

اسی طرح کوئی چھوٹی سی بات ہو غلطی کی mistake کی فوراً کہنا میں نے آپ کو پہلے نہیں کہا تھا؟ چنانچہ اگر گاڑی چلاتے ہوئے راستہ بھول جائے تو بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہیں حالانکہ یہ کتنی معمولی بات ہوتی ہے، بھائی! چھوٹی موٹی چیز میں خاوند کو اختیار دیں، وہ گھر کا سربراہ ہے، وہ گھر کا سردار ہے، وہ گھر کا منیجر ہے، اس کی ہر بات پہ تنقید کی عادت بنالینا یہ پرلے درجے کی حماقت ہوتی ہے، عورت کو فرمانبردار بن کے رہنا چاہئے، یہ نہیں کہ ہر بات پہ بس اپنی ہی مرضی چلانی ہے۔

اور کچھ عورتوں کو دیکھا کہ بس وہ عملیات اور وظیفوں کے پیچھے لگتی ہیں کہ کسی طرح خاوند میرے اشاروں کے اوپر کام کرے، بھائی! آپ تعویذوں سے خاوند کو انگلیوں پہ تو نچالیں گی، خاوند کا دل تو نہیں جیت سکیں گی، خاوند کا دل تو جیتیں گی فرمانبرداری سے، وفاداری سے، نیکوکاری سے، یہ وہ صفتیں ہیں جو خاوند کے دل میں گھر کر جاتی ہیں۔ اسی طرح اگر کبھی مرد کا دل دکھائیں اور آپ محسوس کریں کہ میں نے ایسی بات جلد بازی میں کردی جو خاوند نے کو بری لگی ہے تو معافی مانگنے میں عزت ہے، عظمت ہے۔

مرد جب پریشان ہو تو اس وقت اس کو بات کرنے پہ مجبور نہ کیا کریں، یہ عورتوں کی ایک big mistake (بڑی غلطی) ہوتی ہے کہ مرد اس وقت mental stress (ذہنی تناؤ) میں ہوتا ہے، اس کی کوئی بھی وجہ ہوسکتی ہے، پریشان ہوتا ہے اور اس وقت میں یہ بجائے اس کے کہ اس کو تھوڑا ٹائم دیں، اس کو مجبور کرتی ہیں کہ میرے ساتھ بات کیوں نہیں کر رہے ہیں، بھائی! اگر وہ بات کرے گا تو اس وقت میں

پھر پھول ہی اس کی زبان سے جھڑیں گے اور کیا ہونا ہے؟ پریشان بندے کو کیوں آپ مجبور کرتی ہیں۔ ایک خاوند پریشان تھا تو بیوی آ کے پیار سے بیٹھی کہ مجھے کوئی ایسی بات بتائیں کہ میں خوش بھی ہو جاؤں اور میں غمزدہ بھی ہو جاؤں اور اس نے کہا اچھا سنو، پہلی بات یہ کہ تم میری زندگی ہو، عورت مسکرا پڑی کہ یہ تو بڑی اچھی بات کہی، پوچھا دوسری بات؟ کہنے لگا لعنت ہو ایسی زندگی پر۔ تو جب مرد پریشان ہو تو اس وقت میں آپ اپنی مصیبت نہ ڈالا کریں، سمجھ لیا کریں کہ اس وقت خاموشی سے ایک طرف ہو جانا بہتر ہے، اور مرد کو recovery کے لئے ٹائم دینا یہ بہتر ہے، عقل مند بیویاں خاوند کو اس وقت پریشان نہیں کرتیں۔

خاوند جب گھر آئے تو بیوی کو چاہئے کہ خوشی کا اظہار کرے، خاوند محسوس کرے کہ میرے گھر آنے پہ اس کو بہت خوشی ہوئی ہے، یہ محبتوں کا اظہار محبتوں کو بڑھاتا ہے۔ خاوند کوئی چیز بھول جائے، مثلاً کنجیاں کہیں رکھ کے بھول گیا یا کہیں پھینک دیں، یہ مردوں کی ایک عام عادت ہوتی ہے، تو اس کو نارمل سمجھا کریں، اس کی وجہ سے آپس میں جھگڑا نہ بنایا کریں۔

اگر آپ نے خاوند کی کسی بات سے تکلیف محسوس کی تو پیار میں ہنستے ہوئے بات کرتے ہوئے خاوند کو indicate ضرور کر دیا کریں کہ فلاں موقع پہ جو آپ نے بات کی تھی تو میرا دل دکھا تھا تاکہ آئندہ وہ غلطی نہ کرے، خاوند کو بچہ سمجھ کر نصیحتیں کرتے بیٹھ جانا یہ مناسب نہیں ہوتا، ہاں اگر خاوند کی بڑی غلطی بھی ہو تو اگر بیوی معاف کر دیتی ہے تو خاوند کے دل میں عورت کا قد بڑھ جاتا ہے، عورت کی عزت بڑھ جاتی ہے۔

عورت کو چاہئے کہ گھر کو صاف رکھے، بچوں کو صاف رکھے، بچوں کی اچھی تربیت کرے، حتی الوسع اچھا اور ٹیسٹی کھانا بنائے، مہمان آئے تو ان کی خدمت کو بوجھ نہ سمجھے، لوگوں میں خاوند کی تعریفوں کے پل باندھے، خاوند کی جتنی تعریف کر سکتے ہیں اتنی کرے، یہ تعریف خاوند کے دل میں محبت کو بڑھا دیتی ہے۔ جب خاوند غصہ میں ہو تو بحث مباحثہ نہ کرے، انسان محسوس کرے تو کرے کہ یہ اس وقت کسی بات پہ غصہ میں ہے تو اس وقت بحث مباحثہ کرنا کہ ابھی فیصلہ کرو، ابھی مجھے بتاؤ، آپ نے ایسا کیوں کیا، یہ بات کو بتنگڑ بنانے والی بات ہے، غصہ میں آپ مرد سے اگر expect (امید) کریں گی تو الٹا ہی جواب ہوگا۔ چنانچہ ایک مرد غصہ میں تھا تو عورت اس کے پاس آ کے بیٹھی اور کہا کہ اچھا بتائیں اگر میں پیٹو پہ چڑھ کے دکھاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ اس نے کہا ہلکا سا دھکہ، یہی جواب ہو سکتا ہے اور کیا ہونا ہے۔

ایک بات یاد رکھنا! خاوند سب غلطیوں کو معاف کر سکتا ہے، اس کی غیرت ایسی ہوتی ہے کہ وہ کردار کی

غلطی کو معاف نہیں کرسکتا، اس لئے اگر آپ خاوند کی محبت چاہتی ہیں تو پاک دامنی کی زندگی گذاریں، نیکوکاری کی زندگی گذاریں، نیکی سے چہرے کے اوپر جاذبیت بڑھتی ہے، اگر خاوند کو یہ محسوس ہوگیا کہ آپ کسی مرد سے میسج کرتی ہیں، فون پہ بات کرتی ہیں تو خاوند کے دل سے آپ کا مقام اتر جائے گا، تو پھر آپ روتی بیٹھی رہیں گی، خاوند کی محبت کی نظر کو ترستی رہیں گی۔

خاوند کی باتیں غیر کے ساتھ شیئر نہ کیا کریں، شریعت نے اس کو برا کہا ہے، خاص طور پر میاں بیوی کی آپس کی باتیں جو عورت دوسروں کو بتاتی ہے فرمایا وہ سوّرنی ہے، اور جو مرد بتاتا ہے وہ مرد سوّر ہے، ازدواجی زندگی اچھی گذرنے کا علاج محبت ہی ہے، حضرت مرشد عالمؒ فرماتے تھے: جہاں محبت موٹی ہوتی ہے وہاں عیب پتلے ہوتے ہیں اور جہاں محبت پتلی ہوتی ہے وہاں عیب موٹے ہوتے ہیں، لہٰذا آپس میں الفت ومحبت کی زندگی گذاریں اور یہ ذہن میں رکھنا کہ یہ محبتیں انسان پیدا نہیں کرتا، یہ محبتیں اللہ دل میں ڈالتے ہیں۔

ایک نکتے کی بات:

اکثر عورتوں کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ خاوند کا کاروبار اچھا، دوستوں میں اخلاق بڑے اچھے، رشتہ داروں میں رکھ رکھاؤ بڑا اچھا، مگر مجھے ٹائم نہیں دیتا، یہ ایک common complaint (عام شکایت) ہے جو سننے میں آتی ہے اور یہ ٹھیک بھی ہوتی ہے مگر اس کا تعلق تو دل کے ساتھ ہے اور دل تو اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک خاتون صاحبہ کہیں سے آئیں، نہ سر پہ دوپٹہ، نہ جسم پوری طرح ڈھکا ہوا، خوب سجی سجائی، دلہن بنی ہوئی، مجھے گھر والوں نے بتایا کہ اس طرح کی ایک عورت آئی ہے اور وہ کہتی ہے کہ میں بہت پریشان ہوں، میرا خاوند jeweller (زیورات کا تاجر) ہے اور مجھے حضرت صاحب سے دعا کروانی ہے، تو ہم نے پردے کے پیچھے اسے بلالیا، جب اس سے پوچھا تو وہ کہنے لگی کہ دیکھئے میں اتنی خوبصورت ہوں، میں اتنی لکھی پڑھی ہوں، میرا خاوند jeweller ہے، میں اس کے لئے اچھے کپڑے پہنتی ہوں، سج سجا کے بیٹھی ہوتی ہوں، مگر وہ میری طرف دھیان ہی نہیں دیتا، مجھے پہلے سے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ نہ پردہ کرتی ہے، نہ یہ نماز پڑھتی ہے، نہ دین کے قریب ہے، شام کو باہر جاکے کھانا، دوستوں کی محفل میں مردوں کے ساتھ گپّیں لگانا، دوسرے مردوں کے ساتھ باتوں کی پینگ بڑھانا، اس قسم کی اس کی زندگی تھی، تو اس کو میں نے پہلے تو بات سمجھائی کہ آپ کوشش کریں کہ اللہ کو منائیں اور دعا کریں

لیکن اس کے خانے میں کوئی بات بیٹھ نہیں رہی تھی، میں جتنا اس کو سمجھا تا کہ میں بھی دعا کروں گا آپ بھی دعا کریں کہ اللہ خاوند کے دل میں محبت پیدا کردے، وہ آگے سے جواب دیتی تھی کہ میں اچھے کپڑے پہنتی ہوں، میں تو لاکھوں میں ایک ہوں، اتنی خوبصورت ہوں، تو پھر جب میں نے دیکھا کہ سیدھی انگلی سے یہ گھی نہیں نکل رہا ہے ٹیڑھی انگلی سے نکالنا پڑے گا تو پھر میں نے اس سے سیدھے لفظوں میں بات کی، میں نے کہا کہ دیکھا تمہیں اپنے میک اپ پہ بہت ناز ہے، ٹھیک ہے، خاوند کے لئے میک اپ بھی کرو، خوشبوئیں بھی لگاؤ مگر تم ایک بات کو مت بھولو کہ ان چیزوں سے محبت خاوند کے دل میں نہیں بڑھتی، کہنے لگی کہ کیسے بڑھتی ہے؟ میں نے کہا کہ محبت بڑھتی ہے اللہ کو منانے سے، اب یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھ نہیں رہی تھی، تو پھر میں نے اسے سمجھایا کہ دیکھو تم خوشبو تو بیشک white dimond کی لگالیا کرو لیکن جو الزٹیلر والی حرکتیں کرتی ہو یہ مت کیا کرو، جب اس کی زبان میں بات کی تو وہ مجھے کہنے لگی کیا کرتی ہوں، میں نے کہا، مردوں سے بات کرتی ہو، بے پردہ پھرتی ہو، نمازیں پڑھتی نہیں، یہ آپ کی زندگی ہے، پھر میں نے اسے ذرا پیار سے بات سمجھائی کہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلیہ خدیجۃ الکبریٰ ؓ تھیں، عمر ۴۰ سال تھی، نبی علیہ السلام کی عمر ۲۵ سال تھی، عمر میں بیوی اتنی بڑی تھی اور ان کے دو نکاح پہلے بھی ہو چکے تھے مگر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ان کی اتنی محبت تھی کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں عائشہ ؓ کو ان کی بہن ملنے کے لئے آئیں تو نبی علیہ السلام نے بہن کی آواز سنی تو آپ کو خدیجہ الکبریٰ ؓ کی یاد آگئی، فرمایا یہ کس کی آواز ہے جو خدیجۃ سے بہت ملتی ہے تو ام المومنین عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میرے دل میں بہت عجیب کیفیت ہوئی کہ اتنا عرصہ ان کے فوت ہوئے ہو گیا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب بھی یاد کر رہے ہیں، تو میں نے یہ کہہ دیا اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ابھی بھی اس بوڑھی عورت کو یاد کرتے ہیں جب کہ آپ کے پاس جوان خوبصورت بیویاں موجود ہیں، محبوب کی آنکھوں میں آنسو آگئے، فرمایا عائشہ! جب لوگ گمراہی کے اندھیرے میں تھے اس وقت خدیجہ کے دل میں ایمان کی روشنی آئی، اس نے اس وقت میرا ساتھ دیا جب میرا ساتھ دینے والا دنیا میں کوئی نہیں تھا، عائشہ! ''انی قد رُزِقت حبھا'' اللہ رب العزت نے اس کی محبت میرے دل میں ڈالی ہے، آج مرنے کے بعد بھی میں اسے یاد کر رہا ہوں، تو حدیث پاک سے بات سمجھ میں آتی ہے کہ محبتیں تو اللہ ڈالتا ہے، آپ اللہ کو ناراض کروگی تو کیسے محبت دل میں اللہ ڈالیں گے؟ اللہ تمہیں مزہ چکھاتے ہیں کہ تم سارا دن خاوند کی نظر کو ترستی رہتی ہو، انتظار میں رہتی ہو، اللہ کو ناراض کر کے تم کہاں جاؤ گی؟ دریا میں

رہنا مگر مجھ سے بیر کرنا؟ ایک ہی راستہ ہے پرسکون زندگی کا، اللہ کو منالو، وہی سہا گن جسے پیا چاہے، اللہ ان کے دل میں تمہاری محبت ڈال دیں گے، تم آباد ہوجاؤ گی، گھر آباد ہوجائے گا، اللہ نے اس کے دل میں بات ڈالی، کہنے لگی کہ بے پردگی سے توبہ کرتی ہوں، وعدہ کرتی ہوں کہ پانچ نمازیں پڑھوں گی، الحمدللہ ایک سال بھی نہیں گذرا تھا اس عورت نے دوبارہ رابطہ کرکے کہا کہ میں دنیا میں جنت کی زندگی گذار رہی ہوں، اللہ نے میرے خاوند کے دل میں میری اتنی محبت ڈال دی ہے۔۔تو سچی بات تو یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتیں سب معمولی چیزیں ہیں، اصل لب لباب یہ ہے کہ محبتیں تو اللہ دلوں میں پیدا کرتا ہے، اگر ہم اللہ کے فرمانبردار بندے بن کے رہیں گے تو بیوی کی محبت خاوند کے دل میں، خاوند کی محبت بیوی کے دل میں ہوگی، یہ ہوتی ہے پرسکون زندگی، اللہ رب العزت ہمیں کامیاب ازدواجی زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆

سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ ✷

عورتوں کی اخلاقی برائیاں

آج کل عورتوں میں جو نقائص پیدا ہو گئے ہیں وہ ایسے ہیں جن سے آخرت اور دنیا دونوں میں ذلت اور رسوائی ہے ۔ یہ عیوب ہماری نگاہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتے ، نہ اسکی اہمیت ہے ،لیکن اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑے اہم گناہ ہیں ۔ دن رات ہم کرتے رہتے ہیں اور کچھ نہیں سمجھتے کہ کل اس کا کیا انجام ہونے والا ہے، جسم کا ایک رواں میلا ہو جائے تو دل بے چین ہو جائے اور روح جو گندگیوں سے زنگ آلود ہو گئی اس کو پاک وصاف کرنے کی کچھ فکر نہیں ،فکر تو بڑی چیز ہے خیال تک نہیں، وہ عیوب یہ ہیں:

غیبت ۔چغلی ۔ بہتان ۔ دورخی باتیں ۔لعن طعن ۔قسمیں کھانا ۔جھوٹ بولنا ۔رسم ورواج کی پابندی ۔اوہام پرستی ۔قبر پرستی ۔ بے اعتقادی ۔ بے پردگی ۔ باریک کپڑوں کا استعمال وغیرہ ۔

اب میں ہر عیب کو الگ الگ عنوان کے ساتھ لکھتی ہوں تاکہ پوری وضاحت ہو جائے اور ہر عیب کے نتائج معلوم ہو جائیں، اور ان عیوب پر قرآن واحادیث سے جو ممانعت اور وعید آئی ہے اس کا بھی صحیح علم ہو جائے ۔

غیبت

اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے وہ عیب لوگوں کے سامنے بیان کرنا جو ان میں موجود ہیں، اس کا نام غیبت ہے ۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ؟ قَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ، قِيلَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہؓ

✷ ہمشیرہ محترمہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔آپ نے فرمایا تم اپنے بھائی کو ایسی بات کہو جو اسے ناپسند ہو۔صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگر وہ بات اس میں موجود ہو؟ آپ نے فرمایا یہی غیبت ہے اور اگر وہ بات نہیں ہے جو تم نے کہی ہے تو یہ بہتان ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ چیز کس درجہ ہم میں موجود ہے۔کوئی مجلس ایسی نہیں ہوتی جس میں غیبت نہ ہو۔جہاں چار عورتیں اکٹھا ہوئیں،غیبت شروع ہوگئی،پھر صورت وسیرت کی برائی،عقل وعادات کی برائی، کوئی کالا ہے تو کوئی گورا،کوئی کنجوس ہے تو کوئی سخی،اور صورت کی برائی،عقل وعادات کی برائی تو اللہ تعالی پر اعتراض ہے اس لئے کہ صورت تو اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ (حجرات ۱۲) ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو،کیا تم کو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند ہے؟ یہ تو تم مکروہ سمجھتے ہو۔اللہ سے ڈرو اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس زمانہ میں اول تو نیک بات کہنے کا فقدان ہے اور دو چار جو ہو بھی جاتی ہیں وہ غیبت کی نذر ہو جاتی ہیں۔ظاہر ہے کہ جس کی آج ہم نے غیبت کی ہے کل وہ حشر کے دن اس کے بدلے میں ہماری نیکیاں لے لے گا اور ہم خالی ہاتھ رہ جائیں گے،اللہ تعالی ایسے خسارے سے ہم سب کو بچائے۔آمین۔

چغلی بہتان

یہ عادت اتنی بری ہے کہ اس سے آپس میں فساد برپا ہوتا ہے اور فساد اللہ تعالی کو بہت ناپسند ہے، چغلی کھانے والا ہمیشہ ذلیل رہتا ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے: هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ (ذلیل ہے طعن کرنے والا اور چغلیاں کھانے والا)۔آخرت کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے: عن حذيفة رضی اللہ عنہ قال رسول الله ﷺ: لايدخل الجنة نمام۔(متفق علیہ) حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا چغل خور جنت میں نہ جائیگا۔و عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال: أَلَا أُنَبِّئُكُمْ مَا الْعَضْهُ هِيَ النَّمِيمَةُ الْقَالَةُ بَيْنَ النَّاسِ۔(رواه مسلم) قال النووی: العضة هی الكذب والبهتان (ریاض الصالحین باب تحریم النمیمه) ایک اور حدیث میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو بتاؤں کہ بہتان کیا چیز ہے؟ وہ چغلی ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں فساد برپا ہو۔

دورخی بات

یہ عادت بھی عورتوں کی فطرت بن گئی ہے کہ منھ پر تعریف اور پیٹھ پیچھے برائی، یہ بھی بڑے عیب اور گناہ کی بات ہے اور نفاق کی علامت ہے۔ عن محمد بن زيدأن ناساقالوا لجده عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ: انالاندخل على سلاطيننا, فنقول لهم بخالف مانتكلم اذاخرجنامن عندهم قال: كنانعدهٰذانفاقاعلى عهدرسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (رواہ البخاری) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے ہم سے کہا کہ ہم لوگ بادشاہوں کے روبرو کچھ اور کہتے ہیں اور پیٹھ پیچھے کچھ اور کہتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہم اس کو نفاق سمجھتے تھے۔

حسد

یہ مرض بھی عورتوں میں کثرت سے پایا جاتا ہے اور یہ اتنا بڑا مرض ہے کہ اس سے سراسر اپنا ہی نقصان ہے، جس میں یہ مرض ہے وہ دن رات دوسروں کو دیکھ کر کڑھتا اور جلتا رہتا ہے اور یہ جلن کڑھن بالکل بے سود ہوتی ہے۔ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (رواہ ابوداؤ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

بدگمانی

بدگمانی بھی عورتوں کا خاص مرض ہے اور بدگمانی اتہام کی جڑ ہے، جس میں یہ مرض ہے وہ اتہام سے نہیں بچ سکتا اور اتہام بہت بڑا گناہ ہے اور اتہام کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک تو روزمرہ کے معمولی معاملات پر، دوسری قسم یہ کہ بھولی بھالی پاکدامن عورتوں اور لڑکیوں پر اتہام لگانا یہ بڑے غضب کی بات اور سخت ترین گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا ۖ وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ (سورۂ نور ۱۵) اور جب تم اس کو اپنی زبانوں پر لانے لگے اور اپنے منھ سے ایسی بات کہنے لگے جس کی تم کو خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات سمجھتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی بات ہے۔

اس عادت کی بدولت گھر کے گھر تباہ ہو گئے، میاں بیوی میں ہمیشہ کے لئے جدائی ہو گئی، اتہام لگانے والے الگ الگ ہو گئے اور بنے گھر بگڑ کر رہ گئے۔ یہ سب بدگمانی کے کرتوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (حجرات ۱۲) اے ایمان والو! بہتیرے گمانوں سے بچتے رہو، بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔

عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ (متفق علیہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بدگمانی سے بچو، بد گمانی بہت جھوٹی بات ہے۔

رِیا

یہ مرض بھی عورتوں میں بہت ہے، شاذ و نادر ہی کوئی عورت اس سے بچی ہو، یہ مرض اتنا خطرناک ہے کہ تمام نیکیوں پر پانی پھیر دینے والا ہے، صدقہ خیرات، نماز روزہ کرنا سب بے سود، دنیا کا نفع صرف تھوڑی دیر کی واہ واہی اور شہرت ہے کہ فلاں عورت خوب نماز پڑھتی ہے، خوب روزہ رکھتی ہے، یا بہت صدقہ خیرات کرتی ہے، بس اور آخرت کا نقصان تو بہت بڑا ہے کہ سارے عمل اکارت، کیا کرایا بیکار، کیوں کہ خدا کی خوشنودی کے لئے یہ عمل کئے ہی نہیں گئے کہ مقبول ہوں اور ان کا جر ملے، دنیا کے دکھاوے کے لئے کئے گئے تھے، سو دنیا والوں سے اس کی داد مل گئی، اگر اللہ تعالی کے لئے کئے جاتے تو اللہ تعالیٰ سے اجر ملتا۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: يُرَآؤُونَ النَّاسَ وَلاَ يَذْكُرُونَ اللّهَ إِلاَّ قَلِيلاً (سورۂ نساء ۱۴۲) لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ تعالی کو یا نہیں کرتے مگر تھوڑے۔

ریا اور شہرت طلبی کا انجام ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: حضرت جندب بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی نیکی اس غرض سے کی کہ لوگ سنیں اور اس کی شہرت ہو تو اللہ تعالی قیامت میں اس کو مشہور کرے گا اور اس کو رسوا کرے گا اور جو اللہ کے لئے عمل کرے گا تو اللہ تعالی اس کی جزا (اچھا بدلہ) دے گا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(جاری)

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی
ترتیب وپیشکش: محمد اختر معروفی

انسانی سیرت وکردار کی چند خوبیاں
(سورۂ یوسف کی روشنی میں)

(پہلی قسط)

[بمبئی کے علاقے کرلا، کاپڑیا نگر کی مسجد اتحاد المسلمین میں ہر دوسرے مہینے کے دوسرے اتوار کو حضرت مدیر الفرقان مدظلہ کے درس قرآن کا سلسلہ جاری ہے — ۱۱/ جنوری کو سورۂ یوسف کا اختتامی درس ہوا، وہاں کے بعض بزرگوں نے باصرار یہ فرمائش کی کہ کم از کم یہ درس الفرقان میں ضرور شائع ہو، ان ہی کی فرمائش کے احترام میں اُس درس کی پہلی قسط ذیل میں پیش کی جارہی ہے —— معروفی]

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ (صدق اللہ العظیم)

قرآن کریم کی ایک امتیازی شان

یہ سورۂ یوسف کی بالکل آخری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یقیناً ان کے واقعات اور ان کی تاریخ میں گہری سمجھ رکھنے والوں کے لئے بہت کچھ سیکھنے کا سامان ہے، مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى یہ کوئی افسانے نہیں ہیں، یہ فرضی من گھڑت قسم کے واقعات نہیں ہیں، وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ بلکہ یہ پچھلے نبیوں اور ان کے لائے ہوئے کتابوں اور صحیفوں میں جو واقعات سنائے گئے تھے یا جو باتیں کہی گئی تھیں یہ قرآن مجید ان کی تصدیق کرتا ہے، ان کو کنفرم کرتا ہے، قرآن پچھلی کتابوں کی

تکذیب کے لئے نہیں آیا ہے اور قوموں کا رشتہ اپنے پیغمبروں سے توڑنے کے لئے نہیں آیا ہے ،قرآن قوموں کا رشتہ سابقہ پیغمبروں سے جوڑنے کے لئے آیا ہے،قرآن قوموں سے صرف یہ کہتا ہے کہ تمہارے پاس پچھلے نبیوں کی جو تعلیمات یا ان کی لائی ہوئی کتابوں اور صحیفوں کی جو شکل اس وقت موجود ہے وہ اصلی کتابیں اور صحیفے نہیں ہیں، ان میں بہت سی تبدیلیاں ہوگئی ہیں،تو اگر تم چاہتے ہو کہ تم واقعی ان پچھلے نبیوں کی تعلیمات کو جانو اور ان پر عمل کرو جن سے تم اپنا تعلق ظاہر کرتے ہو، اگر تم واقعی چاہتے ہو کہ تم ان کتابوں تورات اور انجیل وغیرہ پر عمل کرو تو تم کو قرآن مجید سے مدد لینی پڑے گی ،قرآن ہی ہے جو بتائے گا کہ تورات اور انجیل کی اصلی تعلیمات کیا ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ ہی بتائیں گے کہ پچھلے نبیوں کی تعلیمات کیا تھیں، تو قرآن کی ایک شان تو یہ ہے کہ یہ پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔

قرآن میں ہر مسئلہ کا حل ہے

اور قرآن مجید کی دوسری شان یہ ہے ''وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ'' کہ ہر چیز کی وضاحت قرآن مجید میں موجود ہے۔ دنیا میں انسان کو اچھا انسان بننے کے لئے ،اپنے گھر کو ایک کامیاب گھرانہ بنانے کے لئے اور اپنے معاشرے کو ایک اچھا تندرست،اور صالح معاشرہ بنانے کے لئے کتنی چیزوں کی ضرورت ہے، قرآن میں اُن سب باتوں کی وضاحت موجود ہے۔

پھر قرآن مجید کی ایک خاص شان کے بارے میں اسی آیت کے اگلے لفظوں میں فرمایا گیا ''وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ'' اور قرآن مجید میں ہر مسئلے کا حل اور رہنمائی ہے۔قرآن صرف قانون کی کتاب نہیں ہے،قرآن مجید انسانوں کے پروردگار کے پیار کی دستاویز ہے، اللہ کی محبت کا ثبوت ہے،مگر اس رہنمائی سے فائدہ اٹھانے اور اللہ کی محبت وشفقت کو محسوس کرنے کے لئے ''ایمان'' ضروری ہے۔

قرآن سے فائدہ حاصل کرنے کی بنیادی شرط

یعنی اس کو سمجھنے کے لئے ضرورت ہوگی اس بات کی کہ تمہارے دل میں ایمان ہو، ایک تو دلوں میں سو فیصد ایمان ویقین کا ہونا ضروری ہے اور پھر اس کے بعد قرآن مجید کا علم ضروری ہے، ایمان نہیں ہوگا تو قرآن مجید کا ہزار علم ہو اس سے انسان فائدہ نہیں اٹھا پائے گا، بہترین دوا انسان پر اثر تب کرسکتی ہے جب انسان کے اندر جان باقی ہو، اب ایک طرف تو قرآن سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایمان ضروری اور ایک طرف ایمان کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی باتوں کا علم ضروری ہے۔کسی کے پاس ایمان تو ہو مگر اسے بالکل خبر

نہ ہو کہ زندگی کے ہزاروں مسائل کے بارے میں قرآن میں کیا کہا گیا ہے تو وہ قرآن سے فائدہ کیسے اٹھا پائے گا؟

قرآن کریم کے ساتھ ہمارا سلوک

یاد رکھئے کہ قرآن میں ہر مسئلہ کی تفصیل موجود ہے، ہر مسئلہ کا حل موجود ہے، یہ ہدایت کی کتاب ہے، اس کے ایک ایک حرف میں شفاء بھی ہے، رہنمائی بھی ہے، اس کی تلاوت بھی مفید ہے، اور اس پر غور اور تدبر کروگے تو ہر مسئلہ کا حل اسی سے دریافت کر لینے میں کامیاب ہوجاؤ گے ..... ۔ یہ بات اللہ تعالی نے یوسف علیہ السلام کے اس عجیب وغریب واقعہ کے بیان کے بعد سب سے آخر میں فرمائی ہے، میں نے پچھلے درس میں یہ کہا تھا کہ بظاہر سورۂ یوسف کی تفسیر تو مکمل ہوگئی، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی اس عجیب وغریب شخصیت اور واقعہ کے بارے میں جی چاہتا تھا کہ ایک مرتبہ کچھ ترتیب اور اختصار کے ساتھ نمبر وار وہ پہلو بیان کر دئے جائیں جو میں اور آپ حضرات یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ سے سیکھ سکتے ہیں، اور میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں پھر دہراتا ہوں کہ علماء اور مفسرین نے لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی زندگی کا جو حال قرآن نے بیان کیا اس کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو صرف نبیوں کے ساتھ خاص ہو، ایک عام انسان کے سیکھنے کی چیزیں ہیں، دوسرے نبیوں کے واقعات اور یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں یہ فرق ہے، اور نبیوں کے واقعات کا زیادہ تر تعلق اس سے ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو دعوت دی، ایمان کی طرف بلایا، توحید سمجھائی، آخرت سمجھائی، قوم کی اکثریت نے ان کو نہیں مانا، تسلیم نہیں کیا، مخالفت کی، ستایا، جھٹلایا، کچھ لوگوں نے مانا، بالآخر اللہ کی مدد آئی، نبی اور ان پر ایمان لانے والوں کے ساتھ، اور اللہ کی پکڑ آئی ان جھٹلانے والوں کے ساتھ، مثلاً قوم عاد کے ساتھ یہ ہوا، قوم ثمود کے ساتھ یہ ہوا، حضرت ہود کے ساتھ یہ ہوا، حضرت صالح کے ساتھ یہ ہوا، حضرت لوط کے ساتھ یہ ہوا، یہ سب انبیاء کے واقعات ہیں اور ان واقعات میں بھی ہمارے اور آپ کے لئے بہت سبق ہیں، لیکن پھر بھی یہ واقعات وہ ہیں کہ جن واقعات کو سن کر عام آدمی کے ذہن میں آتا ہے کہ یہ تو بہت بڑے بڑے لوگوں کا معاملہ ہے، میں ایک عام قسم کا آدمی ہوں، مگر یوسف علیہ السلام کے واقعہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بالکل عام انسان کی طرح کا واقعہ ہے۔

لہٰذا اپنی ہمتوں کو بلند کیجئے اور اللہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگئے اور ارادہ کیجئے کہ یہ باتیں جو نمبر وار ذکر کی جائیں گی ہم سب اپنی زندگی میں لائیں گے۔

سورۂ یوسف سے ملنے والی چند اہم ہدایات

(۱) پاک دامنی

سب سے اہم چیز یہ ہے کہ ایک صالح معاشرہ اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک اس معاشرہ کے افراد خصوصاً اس معاشرے کی تشکیل اور قیادت کرنے والے افراد پاک دامن نہ بنیں، یاد رکھیں! عام لوگ آنکھ بند کرکے اپنے معاشرہ کو چلانے والوں کے پیچھے چلتے ہیں، جو دنیا میں فیشن چل رہا ہوتا ہے لوگ عام طور پر اسی کی نقل کرتے ہیں، بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو اتنے سمجھدار ہوتے ہیں جو ہر قدم کو سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہیں، لہٰذا اس معاشرہ کو چلانے والے لوگ، خاص طور پر ایک فیملی کا سربراہ، گھر کا ایک بڑا، جب تک یہ لوگ سو فیصد پاک دامن نہیں بنیں گے ایک صالح معاشرہ قائم نہیں ہوسکتا۔ ایک صالح تمدن اور ایک پاکیزہ تندرست معاشرہ کے لئے علماء نے چالیس خصوصیات لکھی ہیں اور اگر ہم اس معاشرہ کو جھانک کر دیکھنے کی کوشش کریں جو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں قائم کیا تھا تو وہ چالیسوں خصوصیات ہیرے جواہرات کی طرح اس معاشرہ کے اندر چمکتی ہوئی نظر آئیں گی۔ میں اس وقت ان چالیسوں خصوصیات کا ذکر تو یہاں پر نہیں کرسکتا ان میں سے چند ذکر کرتا ہوں، علماء نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے ایسے افراد تیار ہونے چاہئیں جن کو اپنی شہوتوں اور خواہشات نفس پر سو فیصد کنٹرول حاصل ہو، اور جو صالح معاشرے کی قیادت اور تشکیل کرسکیں۔

—— اللہ نے انسانوں کے اندر یہ خواہشات بڑی مصلحتوں کے تحت رکھی ہیں، کوئی خواہش ایسی نہیں ہے جو صرف ہماری لذت کے لئے رکھی گئی ہے، ہر خواہش کے پیچھے کچھ بڑے مقاصد ہیں، ایک فلسفی گذرا ہے ارسطو جس کو انگریزی میں Aristotle کہتے ہیں، وہ اخلاقِ انسانی کے بارے میں سوچ رہا تھا، انسانی جذبات کے بارے میں سوچ رہا تھا، سوچتے سوچتے ایک جگہ پر آکر اٹک گیا، اور اس کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا کہ پیدا کرنے والے نے انسانوں کے دل میں یہ جو لالچ اور حرص کی ایک خواہش رکھی ہے اس کی کیا مصلحت ہے؟ اس سے تو آپس میں جھگڑا ہی ہوتا ہے، کوئی فائدہ تو ہوتا نہیں، جب کئی دن گذر گئے تو اس کے گھر کی عورتوں نے کہا: کچھ گھر کے بارے میں بھی خبر ہے؟ پوچھا کیا ہوا؟ عورتوں نے کہا کہ پانی بھرنے والا جو سقا آتا تھا کئی دن سے نہیں آیا، ایک بوند پانی گھر میں نہیں ہے، آپ تو فلسفہ ہی سوچتے رہتے ہو، بیت الخلاء صاف کرنے کے لئے جو آتا تھا وہ کئی دن سے نہیں آیا، اب اتنی گندگی ہے کہ

جا بھی نہیں سکتے، تو اس نے قلم کاغذ رکھا اور کہا کہ میں ابھی جاتا ہوں اور پوچھ کے آتا ہوں، سقہ کے پاس پہنچا، پوچھا بھائی کیا ہوا تم کئی دن سے آتے نہیں؟ اس نے کہا: اچھے خاصے پیسے جمع ہو گئے ہیں، جب سب ختم ہو جائیں گے تب کام شروع کروں گا۔ صفائی کرنے والے کے پاس گیا، اس نے کہا: مزے آرہے ہیں ،انڈے پراٹھے کھا رہا ہوں، جب سب ختم ہو جائیں گے تب آؤں گا، اس نے فوراً کہا: اللہ! میں سمجھ گیا کہ لالچ کیوں پیدا کیا ہے، آج پتہ چلا کہ حرص کیوں پیدا کی ہے، میرے سوال کا جواب مل گیا، آپ سقا کو بھی بھیج دیجئے اور صفائی کرنے والے کو بھی بھیج دیجئے، صرف میرے سوال کی وجہ سے یہ سب ہوا ہے۔ ——

خواہشات جو ہمارے اندر رکھی گئی ہیں، چاہے جوانی کی خواہش ہو، جنس کی خواہش ہو، یہ سب کسی مقصد کے تحت رکھی گئی ہیں، خواہش برائے خواہش نہیں ہے، لذت برائے لذت نہیں ہے۔ سب سے زیادہ طاقتور خواہش انسانوں کے اندر جنس کی خواہش ہے، اس کے پیچھے مقصد یہ ہے کہ اس کے بغیر ایک خاندانی نظام کے ساتھ انسان کی آبادی نہیں چل سکتی، انسان کے بچے کو لمبی مدت تک ماں باپ کی نگرانی کی ضرورت پڑتی ہے، بہت سے جانوروں کے بچے دو چار دن کے اندر اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں، ہفتہ عشرہ کے اندر آزاد ہو جاتے ہیں، لیکن انسان کے بچے کو تو بہت لمبی مدت تک زبردست کیئر کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ کیئر ماں باپ کے سوا کوئی نہیں اس کو دے سکتا، اگر انسان نکاح کے رشتہ میں بندھے تو ایک ذمہ دار ماں اور باپ بنے ،اس کے لئے انسانوں میں ایک خواہش رکھی گئی، مقصد اصل میں نسل انسانی کو چلانا ہے اور پاکیزگی کے ساتھ انسانوں کو تیار کرنا ہے، تمدن کی ترقی میں حصہ لینے والے اچھے انسان تیار کرنا ہے، یہ مقصد ہے اس جذبے کا، لیکن وہ جذبہ ایسا ہے کہ اگر انسان سمجھدار نہ ہو تو وہ جذبہ بہت غلط حرکتیں کراتا ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے اس خواہش کے ساتھ ساتھ انسان کے اندر عقل رکھ دی، سمجھ رکھ دی کہ تم جو خواہش پوری کرو پہلے عقل سے سوچو کہ اس طریقہ پر خواہش کو پورا کرنے سے مجھ کو نفع پہنچے گا یا نقصان، سکون ملے گا یا الجھن، تو نفسانی خواہشات کے نقصان سے بچنے کے لئے اللہ نے عقل رکھ دی، لہٰذا جو انسان معاشرہ کے اندر کوئی صالح تبدیلی لانا چاہتا ہے اس کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ سو فیصد اپنے جذبات اور خواہشات پر کنٹرول رکھنا جانتا ہو، اور اسی کا نام تقویٰ ہے، وہ انسان جو جی میں آئے وہ کرنے لگے ایسا انسان کبھی بھی کوئی تبدیلی معاشرہ میں نہیں لا سکتا۔

یوسفؑ کا واقعہ اس کی سب سے شاندار دلیل ہے، ابھرتی ہوئی نوجوانی ہے، حسن ایسا کہ دنیا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی کو نہیں ملا، اور ان کی زندگی کے سالہا سال ایسے گذرے کہ وہ سکون کے چند

لمحوں کے لئے ترس رہے ہوں گے، اور سالہا سال گذرنے کے بعد اچانک ایک موقع ایسا آتا ہے کہ ایک بھرپور جوانی انہیں پکارتی ہے حالانکہ پہل تو اکثر مرد ہی کی طرف سے ہوتی ہے لیکن یہاں معاملہ الٹا ہوا ہے، بجائے اس کے کہ یوسفؑ کے دل میں کچھ خیال آتا، یوسفؑ کے اوپر ڈورے ڈالے گئے، بڑا سخت امتحان تھا وہ، مگر سلام ہو یوسفؑ کی پاکدامنی پر کہ وہ سو فیصد اس نازک ترین لمحہ میں اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورۂ یوسف میں یوسفؑ کی زندگی کے اس پہلو کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا: ''كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ'' ہم نے تو یوسف سے ہر طرح کے گناہ اور بے حیائی کے کام کو دور کر دینے کا فیصلہ کیا۔ کہنے والوں نے کہا ہے کہ نبی اور ولی میں یہ فرق ہوتا ہے کہ نبی سے گناہوں کو دور رکھا جاتا ہے اور ولی کو گناہوں سے دور رکھا جاتا ہے، اللہ تعالی نے یوسفؑ سے ہی گناہ کو دور کر دیا۔ اس سے ایک سبق ہم کو لینا چاہئے کہ دنیا میں اگر کچھ بننا ہے تو پاک دامن رہنا ہے، اچھا انسان بننا ہے تو پاک دامن رہنا ہے، ایک دھبہ بھی ہمارے اوپر بچپن سے نہ لگنے پائے۔

ہم میں سے جو لوگ ایسے خوش نصیب ہوں کہ جنھوں نے شروع سے اپنے دامن کو بہت بچا کر رکھا اور اللہ کی توفیق سے ان کے دامن پر بالکل کوئی دھبہ نہیں لگا وہ تو شکر ادا کریں، لیکن جو ایسے نہیں تھے اور غلطیاں ہو گئیں، قدم لڑکھڑا گئے، دھبے لگ گئے، تو وہ ایک تو اپنی پچھلی غلطیوں پر شرمندہ ہو کر اللہ سے معافی مانگیں، آئندہ کے لئے سو فیصد اپنی نگاہ و دل کو بچا کر رکھیں، اور اب اپنے بچوں پر رحم کھائیں اور اس طرح ان کی تربیت کریں کہ وہ دھبے جو ان پر لگ گئے وہ ان بچوں پر نہ لگنے پائیں۔

(۲) غصّہ کو قابو میں رکھنا

دوسری ادا جو یوسف علیہ السلام سے ہمیں سیکھنی چاہئے وہ ہے غصہ کو قابو میں رکھنا، غصہ بھی شہوت کی طرح ایک نفسانی جذبہ ہے، انسان غصہ میں آکر اکثر و بیشتر وہ بات کہہ ڈالتا ہے یا وہ فیصلہ کر ڈالتا ہے جس پر بعد میں اس کو پچھتانا پڑتا ہے، یوسفؑ کے اس واقعہ سے ہم سب کو یہ سیکھ لینا چاہئے اور اس کی باقاعدہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارے اندر یہ چیز پیدا ہو۔ آپ کو یاد ہوگا کہ یوسفؑ نے جب بڑی پیاری تدبیر کر کے اپنے بھائی کو اپنے پاس روکنا چاہا تھا تو انھوں نے کیا یہ تھا کہ اپنا ہی ایک پیالہ یا ایک جام اس بھائی کے سامان میں رکھوا دیا تھا جس بھائی کو وہ اپنے پاس روکنا چاہتے تھے، تلاشی کے بعد جب وہ سامان اس بھائی کے پاس نکلا تو اس وقت ان بھائیوں میں سے کسی نے یہ کہہ دیا تھا کہ ''إِن يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِن قَبْلُ''

وہ سوتیلے بھائی تھے اور یہ یوسف اور بنیامین سگے بھائی تھے، تو جب یوسف کے سگے بھائی بنیامین کے سامان میں وہ چیز پکڑی گئی جو خود یوسفؑ نے رکھوائی تھی تو ان کے اندر کا جولاوا تھا، ان کے اندر کی جو بات تھی وہ نکل گئی، وہ زبان پر آ گئی اور یہ کہا انھوں نے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کا سگا بھائی ایک اور تھا وہ بھی چور تھا۔ کہہ کس سے رہے ہیں وہ؟ انھیں نہیں پتہ کہ وہ جس بھائی پہ چور ہونے کا الزام لگا رہے ہیں وہ اسی سے کہہ رہے ہیں، یہ سن کر یوسف علیہ السلام کو کتنی زبردست تکلیف ہوئی ہوگی؟ کتنا غصہ آیا ہوگا، فلسطین سے سفر کر کے مصر گئے ہیں غلہ مانگنے کے لیے اور اس پر بھی وہ جھوٹ اور کینہ سینوں میں ہے کہ اللہ کی پناہ! لیکن یوسفؑ اس غصے کو پی گئے ''فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ'' ایسے پی گئے جیسے سنا ہی نہیں، انھوں نے سنی اَن سنی کر دی۔

یہ آسان کام ہے؟ ہمارے اکثر مسائل جو بگڑتے ہیں گھریلو ہوں، کاروباری ہوں، یا قومی ہوں، وہ اسی سے بگڑتے ہیں کہ غصہ آتا ہے اور ہم کچھ کر بیٹھتے ہیں، یہ سوچتے ہی نہیں کہ اس وقت پی لینا بہتر ہے، ضبط کر لینا بہتر ہے یا غصہ کا اظہار کرنا بہتر ہے، تو جہاں یوسفؑ سے ہمیں پاکدامنی سیکھنی ہے وہاں یوسفؑ سے ہم کو بردباری، غصہ کو قابو میں رکھنا، سوچ سمجھ کر کوئی بات کہنا بھی سیکھنا ہے۔

(۳) نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ پر سختی کرنا

تیسری چیز جو اس واقعہ سے سیکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ جہاں نرمی کا موقع ہو وہاں نرمی کی جائے اور جہاں موقع سختی کا ہو وہاں سختی کی جائے، نرمی کی جگہ پر سختی کرنا اور سختی کی جگہ پر نرمی کرنا یہ دونوں غلط ہے، یوسفؑ نے جب اپنے بھائیوں کے لئے غلے کے اونٹ بالکل لاد دئے اور سامان تیار ہو گیا، تو اس وقت انھوں نے رخصت کرتے ہوئے ایک بات کہی تھی ''ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ'' کہ دیکھو ایک بھائی اور ہے جس کو تم لائے نہیں، اگلے سفر میں اس بھائی کو بھی لے کر آنا، تم دیکھتے نہیں کہ جب تم آتے ہو تو میں کس قدر تم کو بھر بھر کے غلہ دیتا ہوں، ''وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ'' اور تمہارے یہاں ٹھیرنے کا اور مہمان نوازی کا بھی میں نے بہترین انتظام کیا، وہ تو وزیر اعظم تھے لہٰذا ان کو سرکاری مہمان بنایا گیا۔ یہ تو نرمی کی مثال ہوئی، چونکہ یوسفؑ جانتے تھے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ صرف نرمی شاید کام نہ آئے تو انھوں نے اگلے جملہ کا درجۂ حرارت بڑھا دیا، اور فرمایا: ''فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ'' اور یہ بھی سن لو کہ اگلی مرتبہ اگر تم لوگ اس کو لے کر نہ آئے تو کچھ نہیں ملے گا اور مجھ

سے ملنے کی اجازت بھی نہیں ملے گی، تو ایک طرف ترغیب ہے اور ایک طرف ذرا تھوڑا گرم لب ولہجہ ہے۔

یہ ہنر، یہ سمجھداری بھی انسانی زندگی میں اور روزمرہ کی زندگی میں بہت کام آتی ہے، کئی بار ہم الٹا کرتے ہیں، جہاں ضرورت ہوتی ہے نرمی کی وہاں سختی کرنے لگتے ہیں اور جہاں ضرورت ہوتی ہے سختی کی وہاں نرمی کرنے لگتے ہیں، قرآن مجید ایک سمجھدار شخصیت بناتا ہے، یوسفؑ کے واقعہ کو سنا کر کوئی کرامت نہیں بیان کی ہے، کوئی معجزہ نہیں بیان کیا ہے، ان سب باتوں کی ضرورت ہم میں سے ہر ایک کو ہے، ایک ادارے کا منتظم صرف نرم ہوگا تب بھی کام نہیں چلے گا، صرف سخت ہوگا تب بھی کام نہیں ہوگا، ایک گھر کا ذمہ دار صرف نرم ہوگا تب بھی کام نہیں چلے گا، ہر وقت جلاد بنا رہے گا تب بھی کام نہیں چلے گا۔

(۴) خوداعتمادی

یوسفؑ کی شخصیت کے اندر ایک چوتھی چیز یہ ملتی ہے کہ ان کو اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں پر پورا اعتماد تھا، ایک انسان اس وقت کامیاب انسان بنتا ہے کہ اللہ نے اس کو جو صلاحیت دی ہے وہ پوری خوداعتمادی کے ساتھ ان صلاحیتوں کو اپنے معاشرہ کی خدمت کے لئے استعمال کرے۔ ہمارا حال کبھی کبھی الٹا ہوتا ہے، جب ہم سے کسی کام کی توقع کی جاتی ہے، کہیں پر اس بات کی ضرورت پڑتی ہے کہ فلاں خدمت انجام دی جائے تو ہم پر تواضع کا غلبہ ہوجاتا ہے، اس وقت بالکل مسکین بن جاتے ہیں۔ ایک صاحب پر زکوۃ فرض ہوئی، اسلامی حکومت کا نمائندہ اس کے پاس زکوۃ وصول کرنے گیا، جب ان کے پاس پہنچا تو کہنے لگے: میں اور زکوۃ؟ میری یہ اوقات کہاں کہ میں تمہیں زکوۃ دوں؟ میں تو معمولی ہستی ہوں، حقیر فقیر ہوں۔ اب یہ کوئی تواضع کی جگہ ہے؟

جب یوسفؑ سے تنہائی کی ملاقات کے بعد مصر کے حکمراں نے ان سے یہ کہا تھا کہ بھائی! آج سے اس ملک کا پورا اقتدار تمہارے حوالے ہے، اس ملک کا پورا انظام اب تم چلاؤ، تو یوسف علیہ السلام نے اس وقت کوئی تواضع والا جملہ نہیں کہا تھا کہ نہیں ''میں تو بہت معمولی انسان ہوں، میں کہاں یہ کر پاؤں گا، آپ کو میرے اوپر یقین نہیں کرنا چاہئے، اللہ پر یقین کرنا چاہئے، کرنے والی ذات تو اللہ کی ہے، میں کیا کرسکتا ہوں''، یہ سب نہیں کہا، وہ سمجھدار آدمی تھے، انھوں نے اس کے جواب میں کہا کہ ''اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ'' زمین کی جو پیداوار ہے جو غلہ اور پروڈکشن ہے، اس پورے غلے کی حفاظت اور اس کی تقسیم کی تمام ذمہ داری آپ میرے حوالے کیجئے، اس لئے کہ میرے اللہ نے مجھے دو چیزیں دی

ہیں: میں ایمان دار بھی ہوں اور میں غلہ کی حفاظت اور تقسیم کے فن کا ماہر بھی ہوں۔ ہمارے زمانے میں جس قسم کے دین کا تصور چل رہا ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ذمہ داری میرے حوالے کیجئے انشاء اللہ میں بحسن وخوبی انجام دوں گا، تو دس[۱۰] یہ کہنے والے مل جائیں گے کہ دیکھا! کتنا تکبر ہے! بڑے دعوے ہیں! بڑا بول ہے! یاد رکھیں کہ تواضع اور احساس کمتری، عاجزی وانکساری اور ذمہ داری کی ادائیگی سے فرار، ان دونوں کی سرحدیں ملتی ہیں، آدمی ذمہ داری سے فرار حاصل کرنا چاہتا ہے، کام کرنے سے بھاگتا ہے، تو اس وقت وہ تواضع کا سہارا لیتا ہے، حالانکہ وہ تواضع نہیں ہوتی، عاجزی نہیں ہوتی، انکسار نہیں ہوتا، وہ دراصل کام کرنے اور محنت کرنے سے اور خطرہ مول لینے سے بھاگنا ہے، یوسفؑ کی شخصیت سے ہم کو یہ بھی سیکھنا ہے کہ اپنی امت اور انسانیت اور اپنے معاشرہ کی خدمت کے لئے ہم جو کام بھی کر سکتے ہیں ہمیں وہ کام کرنا پڑے گا اور ہمیں وہ کام کرنا چاہئے۔

(۵) گناہوں سے حفاظت، قوت یادداشت میں اضافہ کا ذریعہ

جو انسان گناہوں سے بچتا ہے اور اپنے وقت کو دل کو اور اپنی نگاہوں کو ذرا بچا کر رکھتا ہے تو اس کی یادداشت بہت اچھی ہوجاتی ہے، اس کا ذہن بڑا تیز ہوجاتا ہے۔ چنانچہ آپ حضرت یوسفؑ کی یادداشت کو دیکھیں، جب بھائی لوگ داخل ہوئے تو قرآن کہتا ہے ''وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ'' جتنے دن ہوئے تھے یوسفؑ کو اپنے بھائیوں کے دیکھے ہوئے اتنے ہی دن ہوئے تھے ان بھائیوں کو یوسف کے دیکھے ہوئے، پھر وہ جو آئے تھے وہ یوسف علیہ السلام کے پاس تو نہیں آئے تھے، وہ تو مصر کے وزیر اعظم کے پاس آئے تھے، اور اُن کو اطلاع دے کر تو نہیں آئے تھے کہ ہم یعقوب کی اولاد آرہے ہیں، انہیں کیا معلوم تھا، لیکن جیسے ہی یہ گروپ داخل ہوا یوسفؑ فوراً پہچان گئے کہ یہ میرے بھائی ہیں، لیکن یہ لوگ نہیں پہچان سکے، اس لئے کہ جس کا دل اور نگاہ گناہوں سے پاک ہوتی ہے اس کی ذہانت تیز ہوتی ہے، اس کی یادداشت مضبوط ہوتی ہے۔

ایک بڑے عالم دین، ایک بڑی بزرگ شخصیت نے لکھا ہے کہ ذہانت تین طرح کی ہوتی ہے، ایک ذہانت دماغ کی ہوتی ہے، یہ تو دنیا میں بہت سے ذہین لوگوں میں ہوتی ہے، ایک ذہانت دل کی ہوتی ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ میں نے اپنی زندگی کے تجربوں میں دیکھا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو گناہوں سے بالکل بچائے رکھتے ہیں ان کے دل کی ذہانت دماغ کی ذہانت سے بھی آگے ہوتی ہے، اور اس کے بعد لکھا

کہ ایک ذہانت روح کی ذہانت ہوتی ہے، یہ غضب کی ذہانت ہوتی ہے، یہ ان کو نصیب ہوتی ہے جو سرتا پا اللہ کا ذکر بنے رہتے ہیں، جن کے رگ وپے میں اللہ کی محبت کا نور اتر جاتا ہے، وہ دنیا کے لحاظ سے بھی انتہائی ذہین لوگ ہوتے ہیں۔ آپ جن بزرگوں کو جانتے ہیں ان کے نام خود ذہن میں سوچ لیجیے، میں نے جن دو چار کو قریب سے دیکھا ہے ان کے تو نام لے سکتا ہوں، دنیا میں ان کے تقوے کی، ان کی بزرگی کی، ان کی تہجد کی، ان کی تسبیح کی اور ان کے ذکر وتلاوت کی اور ان کی باطنی صفات کی شہرت ہے، یہ سب سر آنکھوں پر، یہ سب کچھ یقیناً ان کے اندر تھا، لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ ان میں سے جن بزرگوں کو میں نے قریب سے دیکھا ہے میں نے اس آسمان کے نیچے ان جیسا ذہین انسان کہیں نہیں دیکھا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے بارے میں عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کہا کرتے تھے کہ ان کے سامنے آکر دنیا کا سب سے بڑا عقل مند ''خاندانی بُدھو'' بن جاتا ہے، بالکل بے وقوف معلوم ہوتا ہے، بلا کے ذہین انسان تھے، اتنی شارپ ان کی عقل تھی کہ آپ اگر کوئی بات شروع کرتے تو آپ بات بعد میں شروع کرتے، وہ جواب پہلے دے دیتے۔

حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندویؒ کے فقر وفاقہ، ان کی قربانیوں، ان کے اخلاص، ان کے مجاہدات کی دنیا قائل ہے، بلاشبہ انھوں نے اللہ کے دین کی خدمت اور محنت میں زندگی فنا کردی، لیکن اس کے بدلے ان کو کیا ملا تھا، جو کمالات روحانی ملے تھے وہ تو مشہور ہیں، لیکن میں ہر ملاقات میں میں یہ سوچتا تھا کہ یا اللہ! یہ کونسی ذہانت ان کے پاس ہے!

اور یہ جو ہر ملتا ہے تقوے سے، یہ ملتا ہے پاکدامنی سے، انسان کا یہ جسمیہ سب ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے، انسان اگر اپنے آپ کو بالکل بچا کر رکھتا ہے تو اس کے دماغ کی صلاحیتیں ضائع نہیں ہوتیں، بلکہ پروان چڑھتی ہیں اور Fresh ہوتی ہیں۔ امام شافعیؒ اتنے عظیم الشان امام تھے، ایسی عظیم شخصیت تھی، قوموں کے پاس ایسی شخصیت نہیں تھی، ایک مرتبہ امام شافعیؒ نے اپنے استاذ امام وکیع سے کہا کہ حضرت! میں محسوس کرتا ہوں کہ میری یادداشت کمزور ہوگئی

شکوت الی وکیع سوء حفظی　　فارشدنی الی ترک المعاصی
واخبرنی بان العلم نور من الٰہ　　ونور اللّٰہ لا یُعطٰی لعاصٍ

میں نے اپنے استاذ وکیع سے کہا کہ میری یادداشت کمزور ہورہی ہے تو انھوں نے میری توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ محمد! گناہ چھوڑ دو اور مجھے بتایا کہ یہ علم جو ہے یہ ایک نور ہے اور اللہ کا نور کسی گنہگار کو نہیں ملتا۔

(۶) روح کی پاکیزگی کی تاثیر: قوت خیال کی پاکی

اس بات کو ذرا غور سے سمجھنے کی کوشش کیجئے، انسان کی روح دنیا کی سب سے زیادہ Sesitive مخلوق ہے، سب سے زیادہ حساس مخلوق ہے، ایک سیکنڈ میں یہ روح دھندلی ہوجاتی ہے، کالی ہوجاتی ہے، بھدی ہوجاتی ہے، بدشکل ہوجاتی ہے، اور جب روح بھاری ہوجاتی ہے، بھدی اور بدشکل ہوجاتی ہے تو اس روح کے ذریعہ سے جو تصویریں دماغ میں جاتی ہیں، قوت خیال میں جاتی ہیں، جو انسان کو خواب میں نظر آتی ہیں، وہ دھندلی ہوتی ہیں، واضح نہیں ہوتیں، اکثر آپ کہتے ہیں کہ میں خواب دیکھتا ہوں بھول جاتا ہوں، یہ علامت ہے اس بات کی کہ روح پاک صاف نہیں ہے، اکثر آپ سنتے ہیں یا کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا لیکن یاد نہیں آرہا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ روح پوری طرح صاف نہیں ہے، جس کی روح بالکل neat and clean اور transparent ہوتی ہے، جتنی صاف ہوتی ہے، اس کے خواب اتنا ہی صاف اور شفاف ہوتے ہیں۔

اس وقت میں اس سے زیادہ تشریح نہیں کرسکتا کہ قوت خیال کیا چیز ہے، حکماء نے، گہرے رازوں کے جاننے والے ماہر علماء نے اس بارے میں بہت کچھ لکھا ہے، لیکن یہ بہت آگے کی چیز ہے، ہم لوگ تو نرسری کے طالب علم ہیں، یہ تو پی ایچ ڈی کا نصاب ہے۔

بعض لوگ اتنے ماہر دیکھے کہ ان سے آکر کسی نے خواب بیان کیا اور جس نے خواب دیکھا تھا اس نے یہ کہا کہ فلاں بزرگ سے جاکر خواب کی تعبیر پوچھو اور خواب بتاؤ، لیکن یہ مت بتانا کہ یہ میرا خواب ہے، تو اس نے جاکر جب خواب سنایا تو ان بزرگ نے پوچھا کہ یہ خواب کس کا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ حضرت! وہ بس حضرت حضرت کہہ کر خاموش رہ گئے، انھوں نے کہا بھائی! یہ تمہارا خواب نہیں ہوسکتا، اس کو لاؤ جس نے یہ خواب دیکھا ہے۔

یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے، یہ بشارت کے لئے آتے ہیں، خوف اور انذار کے لئے اور warn کرنے کے لئے بھی آتے ہیں، خدا کی طرف سے آگاہ کرنے کے لئے یہ میسیج ہوتے ہیں، لیکن کس کا خواب معنی خیز ہوتا ہے، کس کا خواب ابخرات کا نتیجہ ہے، نفسانی خواہشات کا نتیجہ ہے، گندی حیوانی حرکتوں کی وجہ سے روح جو بہت ہی بھاری ہوگئی ہوتی ہے یہ اس کا نتیجہ ہے۔

چنانچہ یوسفؑ نے جو بچپن میں خواب دیکھا تھا وہ اتنا واضح تھا کہ اس کی کسی تعبیر کی ضرورت بھی نہیں تھی، گیارہ ستارے اور سورج اور چاند یہ سب میرے سامنے سجدہ کررہے ہیں، بالکل کھلا ہوا انھوں نے یہ

منظر دیکھا، یہ قوت خیال کی صفائی کا نتیجہ تھا اور قوت خیال نتیجہ تھی روح کی صفائی کا، چنانچہ اس خواب کو سن کر یعقوبؑ نے یوسفؑ کا پورا مستقبل سمجھ لیا۔ یوسفؑ کے اس واقعہ سے ایک بات یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اپنی قوت خیال کو پاک صاف رکھنا چاہئے۔

یاد رکھیں! عمل بعد میں انسان کرتا ہے پہلے خیال آتا ہے، خیال اچھے ہوں گے تو اعمال بھی اچھے ہوں گے، اور خواب بھی اچھے اور پاکیزہ ہوں گے۔ خیال گندے ہوں گے تو اعمال اور خواب دونوں گندے ہوں گے۔ آج کل کا جو ہمارا معاشرہ ہے یہ ہمارے خیالات کو پاک بنا رہا ہے یا گندا بنا رہا ہے؟ پورا معاشرہ ہمارے لئے بہت بڑا چیلنج ہے، اس زمانے میں پاک دامن رہنا آسان کام نہیں ہے، نوجوانوں کے لئے بالخصوص بہت بڑا چیلنج ہے۔

ہم نے اپنی قوت خیال کو اکثر گندا کر دیا ہے، اکثر قوت خیال پاک صاف نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے دل اور دماغ کے درمیان ایک رشتہ رکھا ہے، دل سے خواہشات کا سگنل جاتا ہے، دماغ سے خیال کا سگنل جاتا ہے اور اس کے بعد بدن کے اعضا اس خیال کو عمل کی شکل دینے میں لگ جاتے ہیں، کبھی بھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ کسی انسان سے کچھ غلط اعمال ہو رہے ہوں اور اس کا دماغ بالکل پاک صاف ہو، یہ نہیں ہوسکتا، اگر اس سے کسی بھی طرح کے کچھ غلط کام ہو رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دل اور دماغ ٹھیک نہیں ہے۔ اسی لئے علم و ذکر پر محنت کرائی جاتی ہے، علم کے ذریعہ دماغ کو پاک صاف کروایا جاتا ہے اور ذکر کے ذریعہ دل کو پاک صاف کروایا جاتا ہے، جب علم کے ذریعہ دماغ پاک ہوگا اور کثرتِ ذکر کے ذریعہ دل پاک ہوگا تو دل سے غلط قسم کی خواہشات کا سگنل دماغ کو جائے گا ہی نہیں، اچھے جذبات کا سگنل جائے گا، غریب کی خدمت، ماں باپ کی خدمت، صبر اور شکر کا سگنل جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

(۷) سوچ سمجھ کر طریقۂ زندگی کا انتخاب کرنا

ساتویں چیز یوسفؑ کی شخصیت سے جو ہمیں سیکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ ہر انسان کو معاشرے میں رائج زندگی کے طور طریقوں میں سے سوچ سمجھ کر اپنے لئے کسی راستے کو منتخب کرنا چاہئے۔ یوسفؑ نے جب جیل میں اپنے ساتھی قیدیوں سے بات کی تھی تو اس وقت انہوں نے اپنے بارے میں کچھ جملے کہے تھے، کہا تھا: ''وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَن نُّشْرِكَ بِاللَّهِ مِن شَيْءٍ'' کہا کہ میں نے ان تمام لوگوں کے طور طریقے چھوڑ دئے جو معاشرے کے اندر رائج ہیں، میں نے ان کے طریقہ پر چلنے کا راستہ نہیں چنا، میں نے تو اللہ کے پیغمبر ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے طریقے پر چلنا چنا ہے۔

کاش! اس کو سن کر آج کا نوجوان پکارے، کاش! آج ہم سب کی دل وزبان سے یہ بات نکلے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے میں نے اس پر نہ چلنے کا فیصلہ کیا ہے، اس کو تو میں نے چھوڑا، میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تہذیب کو اپنایا، میں نے ان کی سنت کو، ان کے تمدن کو، ان کے طرز زندگی کو اپنایا ہے، نوجوانو! شعوری طور پر مسلمان بنو، By chance مسلم بننے سے کام نہیں چلے گا، By choice مسلم بنو، اسلام کو پسند کرو، اسلام کو چنو، ایک ایک حکم کو پسند کرو۔

اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کو جو سمجھ دی ہے اس کو بڑے اہتمام سے اللہ نے ذکر کیا، فرمایا: ''وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ'' جب یوسف جوان ہوئے تو ہم نے یوسف کو دو چیزیں عطا کیں، ایک زبردست قوتِ فیصلہ عطا کی، اور ایک گہری سمجھ یعنی چیزوں کی حقیقت کو دیکھ لینے والی نظر عطا کی، یہ دونوں بہت عظیم نعمتیں ہیں — ارادے اور فیصلے کی قوت — اور — گہری سمجھ!

(باقی آئندہ)

برائے کرم

جن حضرات کے پاس حیات نعمانی کا پہلا ایڈیشن ہے

وہ ''صفحہ ۳۲۵'' سطر ۵ میں جو عبارت چھوٹ گئی ہے اسے بڑھالیں، یہ سطر یوں شروع ہوتی ہے: **نائب کی حیثیت سے انقلاب کے عنوان .....**

اس کے آگے جو عبارت چھوٹ گئی ہے وہ یہ ہے:

نائب کی حیثیت سے انقلاب کے عنوان سے . . . . . ''جو جہاد شروع کر رکھا ہے، اس کا خاص ہدف عراق کے عقباتِ عالیہ (شیعہ حضرات کے اماکنِ مقدّسہ کربلا، نجف اشرف، مشہد امیر المؤمنین وغیرہ کے بعد حرمین شریفین ہیں.....''